تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم، منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبویؐ کے اصول، رسول اللہ صلعم کے پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ... صفحے، قیمت باختلاف کاغذ عہ سے ہے، تقطیع کلان،

خیام، خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر مین خیام کے چھ عربی و فارسی رسالون کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہو، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حسن المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہو، ضخامت ۴۰۰ صفحات کتابت وطباعت وکاغذ اعلی قیمت غیر مجلد ہے مجلد للعہ

ارض القرآن حصۂ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اسطرح لکھی گئی ہو جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید وتصدیق ثابت کی ہو، طبع دوم، ضخامت ۴۴۲ صفحے، قیمت عہ

ارض القرآن حصہ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہو انہین سے بنو ابراہیم، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان، اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت عہ، طبع دوم،

عرب و ہند کے تعلقات، عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد مین دیئے، وہ خوبصورت اردو ٹائپ مین مجلد شائع ہوئے ہین، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۰ صفحے

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور انکے مناقب، فضائل واخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکے احسانات، اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت ہے،

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانحعمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک پر تبصرہ طبع دوم ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت عہ

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنت والجماعۃ کے معنی ومفہوم کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیحہ کی تشریح طبع دوم قیمت ۳ر حجم ۵۳ صفحے،

لغات جدیدہ، عربی زبان کے اخبارات اور رسائل تصنیفات اور بول چال مین ہزارون نئے الفاظ پیدا ہوگئے ہین جنکے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہو مصنف نے اس کتاب مین اس قسم کے چار ہزار سے زائد عربی الفاظ کا لغت لکھا ہو طبع دوم، قیمت عہ ضخامت ۱۶۱ صفحے،

دروس الادب ۱ و ۲، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈرین جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علمون کیلئے اسطرح لکھا ہو کہ طالبعلم کو ادب و نحو کیساتھ ساتھ تعلیم و مشق ہوسکے، اکثر مدارس مین داخل نصاب ہے، طبع سوم مع ترمیم قیمت ۱ر ۲ر دوسری ریڈر طبع سوم قیمت ...

جلد ۳۴ | ماہ ربیع الآخر ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۴ء | عدد ۲

مضامین،

شذرات

انگریزی زبان مین قرآن پاک کے ترجمے حقیقت یہ ہے کہ بہت ہین، اور ایک بھی نہین، زیادہ تر ترجمے تو نامسلمون کے ہین، جو اعتبار کے لائق نہین، مسلمانون مین ایک ترجمہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کا ہے، جو ظاہر ہے کہ خاص عقائد و خیالات کو سامنے رکھکر کیا گیا ہے، بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ اس مین مرزا غلام احمد صاحب کے خیالات سے زیادہ سر سید احمد خان کے خیالات کی جھلک پائی جاتی ہے، یعنی "قادیانیت" سے زیادہ اس مین "نیچریت" ہے، اسی سے عام مسلمانون کو اُسپر اعتبار نہین،

ایک اور مجتہدانہ ترجمہ الہ آباد کے ایک ہمہ دان مسلمان مترجم کا ہے، جس نے اول تو قرآن پاک کی ترتیب اُلٹ دی، پھر ترجمہ مین اس نے اجتہاد کی وہ شان دکھائی ہے، کہ نہ عربی لغت کا اعتبار رہا، نہ تفسیر نبوی کا لحاظ اور نہ اسلام کے مسلّم اصول کا خیال، ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ مسلمانون کے کس کام آسکتا ہے، ایک اور ترجمہ جزائر ہند مین کسی ہندوستانی مسلمان مبلغ نے کیا ہے، لیکن وہ ہماری نظر سے نہین گذرا، اس لئے اس کی نسبت کچھ کہا نہین جاسکتا،

اس وقت سب سے بہتر ترجمہ انگریز مسلمان مسٹر محمد پکتھال کا ہے، کہ وہ ایک صاحب زبان مسلمان کے قلم کا ہے، اور مصر کے بعض مسلمان عرب فاضلون کی امداد سے ہوا ہے، اور اسی لئے اس مین نسبۃً غلطیان بہت کم ہین، لیکن وہ حواشی اور نوٹس سے خالی ہے، اس لئے وہ قرآن پاک کی تبلیغ و تفہیم کے کام مین نہین آسکتا،

پھر ان مین سے کوئی ترجمہ کسی مستند عالم کے مشورہ اور نگرانی سے انجام نہین پایا ہے، اور خالص مسلمانون کے نقطۂ نظر سے کبھی غیر زبان مین قرآن پاک کی ترجمانی نہین ہوئی، ان وجوہ سے ہمارے محترم فاضل دوست مولوی عبدالماجد

صاحب بی اے (اڈیٹر سچ)، نے مہینون کے تذبذب اور غور و فکر کے بعد ہمت کی ہے کہ وہ اس بار گران کو خود اٹھائین اور انگریزی مین قرآن پاک کا ایسا ترجمہ کرین جو صحیح ہونے کے ساتھ مستند اور قابل شرح آیات پر ایسے حواشی اور نوٹ لکھین جو ہمارے پچھلے مفسرین کی تحقیقات کے مطابق بھی ہون، اور ابنائے عصر کے شکوک و شبہات کو بھی دور کر سکین،

موصوف نے اپنے انگریزی ترجمہ مین مشورہ اور نظر ثانی کے لئے انگریزی کے اچھے اچھے آدمیون کا انتخاب کر لیا ہے، اور قرآن مجید کی آیات کے صحیح سمجھنے کے لئے ذاتی علم و بصیرت کے علاوہ مولنا شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی، شیخ الہند مولنا محمود حسن صاحب دیوبندی اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمون کو سامنے رکھا ہے، انگریزی ترجمہ کا بعینہ اردو ترجمہ وہ بعض دوسرے علماء کی خدمت مین بھی پیش کرتے رہتے ہین،

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ گذشتہ انگریزی تراجم کی موجودگی مین قرآن مجید کے کسی نئے انگریزی ترجمہ مین کوئی بڑی دقت نہین ہے، کیونکہ ان ترجمون مین لفظی غلطیان دس بیس سے زیادہ نہین، اصلی چیز یہ ہے کہ قرآن پاک کو معنوی تحریف سے بچایا جائے، اور قابل شرح آیات پر ایسے حواشی لکھے جائین جو اسلام کے خیال کی صحیح تعبیر ہونے کیساتھ انکو موجودہ ذہنیت کے قریب کردین، اگر ہمارے دوست سے یہ کام انجام پاسکا، تو اس مین شک نہین کہ وہ اس دور مین اسلام کی بہترین خدمت ہوگی،

ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کے کام کے لئے حوالہ کی کتابون، تفسیرون، اور عربی انگریزی کتب لغت کی ضرورت ہوگی جس کی مجموعی قیمت کئی سو کے قریب ہوگی، اور مسودون کے صاف کرنے اور اسکی کئی نقلون کے لینے کیلئے اخراجات الگ ہین، اب تک موصوف نے ان مصارف کا بار خود اٹھایا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اہل کرم مسلمان اس ضروری کام مین ان کی اعانت کرین، اس کے لئے اسکی حاجت نہین ہے کہ عام چندہ کی فہرست کھولی جائے، بلکہ ایک دو صاحب دل و صاحب دولت مسلمانون کا ادھر توجہ کرنا کافی ہے،

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن نے اردو زبان کے صوبہ دار جائزہ کی جو تجویز ملک کے سامنے پیش کی ہے اس کے مطابق اس نے (مالی دقتون کا لحاظ کئے بغیر) عملی کام شروع کر دیا ہے، انجمن کے سکریٹری جناب مولوی عبد الحق صاحب نے پنجاب اور صوبۂ متحدہ کا سفر کرکے اس کام کی تکمیل کے لئے کمیٹیان قائم کر دی ہین، ہمارے صوبہ مین یہ کام مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے ذمہ لیا ہے، لاہور مین بھی کمیٹی اپنا کام کر رہی ہے، برہما اور بعض دوسرے مقامات مین بھی کام شروع ہو گیا ہے، بہار مین بھی اس کے لئے نوجوان تیار ہو رہے ہین، اور اب سکریٹری صاحب نے ہم کو اطلاع دی ہے کہ وہ اس کے لئے مدراس جا رہے ہین، اس تجویز کے مطابق کام کیا کرنا ہے، اس کے لئے احباب انجمن مذکور سے مطبوعہ کاغذات منگوا سکتے ہین،

ہم نے تحریک کی تھی کہ آیندہ زبانِ اردو کے غیر معروف لیکن صحیح نام ہندوستانی کو فروغ دیا جائے، اور اس زبان کو اسی نام سے شہرت دیجائے تاکہ خود اس نام سے اس کے عام ملکی زبان ہونے کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہو، دلّی کے ایک گوشہ سے اس صحیح و مناسب تحریک کی مخالفت کی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ۲ جولائی کو اسمبلی کے اجلاس شملہ مین مسٹر لال چند، جائی پرمانند اور سر محمد یعقوب نے ایک اور مسئلہ کے ضمن مین جب اس پر بحثین کین تو مسٹر لال چند کے اس کہنے پر کہ "اردو اور ہندوستانی دونون ایک اور ہم معنی ہین" مسلمانون کے نمایندہ سر محمد یعقوب نے مخالفت کی، اور ثابت کرنا چاہا کہ دونون دو چیزین ہین، اسمبلی کے ایک سامع (وزیرؔ) نے اس پر ہم سے ہی کہنا چاہا ہے، ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہین کہ "دشمن دانا بہ از دوست نادان"۔

ملک مین یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ ہماری زبان کے مشہور کہنہ مشق اور استاد شاعر حضرت ریاضؔ خیرآبادی نے نوے برس کی عمر مین، ۱ ربیع الآخر کو وفات پائی، مرحوم اپنے صنفِ سخن مین باکمال و بے مثال شاعر تھے، اللہ تعالیٰ انکو اپنی مغفرت کی شرابِ طہور سے سیراب فرمائے،

مقالات

قندھار،

خرقۂ شریف ارک سے نکل کر سب سے پہلے خرقۂ شریف کی عمارت ملتی ہے، مشہور ہے کہ یہان آنحضرت صلعم کا ملبوس اقدس ہے، اس کی قدیم تاریخ کا کوئی پتہ نہین چلتا، احمد شاہ ابدالی کو یہ تبرک شاید بخارا سے ہاتھ آیا تھا، وہ بڑے ادب و احترام سے اس کو اپنے دار السلطنت مین لایا، اور قصر شاہی کے پاس ہی اس کے لئے سنہ ۱۱۸۲ھ مین ایک عمارت بنوائی، عربی مین یہ تاریخ بالف ومأتہ وثمانین واثنین مرقوم ہے، عمارت کی موجودہ شکل ایک بہت بڑے گنبد کی ہے، جس کے نیچے ایک گول کوٹھری ہے، جس کی چھت وہی گنبد ہے، سامنے دروازہ سے گنبد کے اندر داخل ہوتے ہین، جس وقت ہم لوگ پہنچے ہین اس دروازہ مین فرش بچھا تھا، لیکن واپسی کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس کو سپاہیون نے لپیٹ دیا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرش خاص خاص موقعون پر بچھتا ہے،

موجودہ گنبد کی عمارت امیر حبیب اللہ خان شہید مرحوم کی بنوائی ہوئی ہے، دروازہ کے داہنے بائین، بلندی پر جلی خوشخط حروف مین لکھا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ مین سردار محمد عثمان خان نائب سالار نائب الحکومت قندھار نے سنہ ۱۳۲۹ مین اسکو بنوایا، دروازہ سے داخل ہو کر گنبد کے اندر قدم رکھا، دیوار کی سطح خوشنما اور زرین نقش و نگار سے آراستہ تھی، گنبد کے اوپر پورے دور مین کوئی خوشخط کتبہ تھا، یہ گنبد خالی تھا، اس کے مغربی رخ پر ایک اونچا چبوترہ تھا، اور اس کے پہلو سے اوپر چبوترہ پر چڑھنے کا زینہ تھا، زینہ کے اوپر خوبصورت کٹہرہ تھا، اس زینہ کی راہ سے ہم اوپر چڑھے، وہان ایک غلاف کے اندر وہ خرقۂ شریف لپٹا تھا، اوپر ایک شامیانہ تنا تھا، سامنے خوشبو کے لئے بخوردان

وغیرہ تھے، درود وسلام کے ساتھ وہان داخلہ ہوا، اور پھر اسی احترام کے ساتھ واپسی ہوئی،

اس قسم کے تبرکات کی نسبت میرا خیال یہ ہو کہ گو ان کی تاریخی حیثیت ہم پر واضح نہین، اور نہ اس نسبت کی صحت پر دلیلین ظاہر ہین، لیکن پھر بھی جمہور کثیر اس نسبت کی صحت کا قائل ہے، اس بنا پر اس کے انکار کی بھی کوئی قوی دلیل ہمارے پاس نہین، اس لئے اگر ہم نسبتِ نبوی کا پاس ادب کرین تو شاید یہ آئینِ محبت کے مطابق ہو، تاہم ظاہر ہے کہ اس محبت کے آثار و کیفیات مشرکانہ رسوم اور مشرکانہ طریق ادب کی صورت مین ظاہر نہ ہونے چاہئین،

احمد شاہ ابدالی کا مقبرہ یہ وہی احمد شاہ ابدالی درانی ہے، جسکا نام ہندوستان کے آخری تاریخی اوراق مین بار بار آتا ہے، اور جس نے اپنے متواتر چھ حملون سے ہندوستان کی بدامنی کو دور کرنا چاہا، اور سب سے آخری دفعہ اگر شمالی ہندوستان سے مرہٹہ تاخت و تاراج کا خاتمہ کر دیا،

احمد شاہ کا خاندان صدوزئی قبیلہ سے ہے، مشہور ہے کہ اس کے مورثون مین سے ایک بزرگ کا نام ترین تھا، اس نے خواجہ ابو احمد ابدال چشتی سے مرید ہو کر ابدال لقب پایا، اور اسی نسبت سے احمد شاہ، ابدالی کہلایا، ترین ابدالی کی اولاد مین سے ایک کا نام صدو تھا جس سے صدوزئی قبیلہ کا وجود ہوا، صدو کے ایک لڑکے کا نام خضر تھا، خانوادۂ چشت کی ارادت و بیعت نے اس خاندان مین بزرگی کی شان پیدا کی، خضر نے اپنی دینداری اور تقدس کی بنا پر خواجہ خضر کا لقب پایا، اور افغانون کی ارادت و عقیدت نے اس کو مرکزی حیثیت عطا کی، احمد شاہ اسی مقدس دادا کا خوش قسمت پوتا تھا، نادر شاہ کے بعد افغانون نے احمد شاہ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا، اور قندھار اس کا دار السلطنت قرار پایا، اس وقت اس بادشاہ کے دائرۂ حکومت مین افغانستان کے علاوہ کشمیر، صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ کے علاقے داخل تھے، جن کو اس کے بعد کے جانشینون نے رفتہ رفتہ اپنے ہاتھون سے کھو دیا،

سلطان احمد شاہ ابدالی دیندار، انصاف پسند اور پرجوش مجاہد تھا، اور یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ اسلام کی پچھلی تاریخ مین اس سے بڑا کوئی دوسرا امیر و نہین، تیئیس ۲۳ برس کی سلطنت کے بعد ۱۱۸۶ھ مین وفات پائی، اور قندھار مین ارکِ شاہی کے پاس دفن ہوا، اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے تیمور شاہ نے تختِ شاہی پر قدم رکھا، اور اپنے

باپ کی قبر پر یہ عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا، افغانون مین اس مقبرہ کا اسقدر ادب و احترام تھا، کہ خونی مجرم بھی اگر بھاگ کر اس مین پناہ لیتا تو امان پاتا،

مقبرہ اینٹ اور چونہ کا بنا ہے، اوپر بہت بڑا ہشت پہل گنبد ہے، جس کے نیچے بادشاہ کی قبر ہے، گنبد کی بیرونی دیوارون پر چینی کا کام ہے، جو اب خراب ہو چکا ہے، گنبد کے اندر کی سطح طلائی اور رنگ آمیزی کے نقش و نگار سے آراستہ ہے، گنبد کے اندر زمین پر کوئی فرش نہ تھا، گنبد کے اوپر جہان دیوارین ختم ہوتی ہین، چارون طرف خوشخط جلی حروف مین حسب ذیل اشعار لکھے ہوئے ہین،

شاہِ والا جاہ احمد شاہ درانی کہ بود ۔۔۔ در قوانینِ امورِ سلطنت کسریٰ منش

از نہیبِ قہرمانِ سطوتش در عہدِ او ۔۔۔ شیر آہو را بشیرِ خویش دادے پرورش

می رسید از ہر طرف در گوشِ بدخواہانِ او ۔۔۔ از زبانِ خنجرش ہر دم ہزاران سرزنش

چون روان شد جانبِ دار البقا، تاریخ بود ۔۔۔ سالِ ہجری یک ہزار و یکصد و ہشتاد و شش

مقبرہ کے اندر قدم رکھنے کے ساتھ اس بادشاہ کشورستان کی وہ تصویر سامنے آگئی جو ہندوستان کی انگریزی تاریخون مین بنی ہوئی نظر آتی ہے، اس کے کارنامون کی عظمت نے اپنے زائرین کو باادب بنا دیا، جو چیز مٹی کے ڈھیر کے نیچے تھی، وہ چند بیجان ہڈیون کے سوا کچھ نہیں، مگر اوس کی زندگی کا ایک ایک حرف آبِ حیات کی سیاہی سے جریدۂ عالم پر ثبت ہے،

قرآن پاک کا شاہی نسخہ مقبرہ مین سلطان کے سرہانے بلندی پر اسکا وہ قرآن رکھا تھا، جو خاص اس کی تلاوت کا تھا، مقبرہ کے خادم نے اس قرآن کو جزدان سے نکال کر ہمارے سامنے رکھا، یہ چوب خط مترجم و محشی قلمی قرآن تھا، جس کی تیاری خاص اہتمام کے ساتھ عمل مین آئی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ کی اخیر عمر مین اس کی پیری اور ضعف بصارت کی بنا پر موٹے حرفون مین لکھوایا گیا، تاکہ بادشاہ سہولت کے ساتھ اس کو پڑھ سکے، یہ نسخہ دو ہاتھ کے قریب لمبا ہے، خط نہایت عمدہ اور بہت جلی ہے، نیچے فارسی ترجمہ اور حاشیہ پر بخط نستعلیق فارسی کی تفسیرین ہین، اور آخر

مین فارسی نظم مین ایک فالنامہ ہے، اور سب سے آخر مین جن لوگون نے اس نسخہ کو بادشاہ کے لئے تیار کیا تھا، ان کے
نام ہین، عبارت کا اقتباس یہ ہے:۔

"...... سلطان احمد شاہ بادشاہ غازی درّانی خلد اللہ ملکہ، دہم شہر ربیع الثانی ۱۱۷۹ھ باہتمام
بندۂ درگاہ، اضعف عباد اللہ، علی اکبر خان، اولوکری، حافظ عبدالوہاب متن نوشت و محمد ہاشم و محمد تقی و
عبدالصبور تفاسیر نوشت و محمد یوسف ترجمہ نوشت، و بہ کار صحافی عبدالحکیم صحّاف صورت اتمام
پذیرفت۔"

مین نے کہا یہ قرآن کا وہ نسخہ ہے جو اس تیغ آزما، کشور کشا، فاتح ہند حکمران بادشاہ کے دل پر حکمرانی کرتا تھا،
عبارت بالا مین نسخہ مذکور کی تیاری کی جو تاریخ (۱۱۷۹ھ) درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ مغفور
کی وفات سے آٹھ برس پہلے تیار ہوا تھا،

ارغنداب

مقبرہ سے نکل کر سڑک پر آئے تو موٹرین کھڑی تھین، ہم لوگ دو موٹرون پر سوار ہوئے، مامور صاحب
وزارت خارجہ جو اب تک ہمارے ساتھ تھے، آئندہ کی سیر مین بھی ہمارے ہمراہ ہوئے، قندھار کا سب سے خوبصورت اور
دلکش طبعی منظر کا نام ارغنداب ہے، مقبرہ سے نکل کر ہم اس کے دیکھنے کو روانہ ہوئے، موجودہ شہر کی چہار دیواری سے
باہر بھی ہر طرف عمدہ سڑکین تھین، سامنے پہاڑی کی بلندی نظر آتی تھی، نیچے ایک نہایت وسیع میدان تھا، مامور صاحب
(افغانستان کی موجودہ سلطنتی اصطلاح مین "مامور" کے معنی ماتحت افسر کے ہین) نے بتایا کہ پہلے پرانا قندھار یہین آباد تھا،
مگر اس وقت یہان اس میدان مین گذشتہ آبادی کا کوئی نشان موجود نہین،

اس میدان کو طے کرکے ہم مذکورہ بالا پہاڑی کے قریب پہنچے، اس پر ایک نہایت عمدہ ڈھلوان سڑک بنی ہوئی
تھی، موٹرون نے آہستہ آہستہ بلندی پر چڑھنا شروع کیا، یہان تک کہ ہم پہاڑی پر چڑھ گئے، اور تنگ راستہ سے ہوتے
ہوئے ایک ایسے بلند لیکن تنگ تر مقام پر پہنچ گئے جہان سے موٹرون کا آگے بڑھنا ناممکن تھا، یہان سے اتر کر
پیدل چلے، اور فوراً ایک کشادہ مقام پر آگئے جس کے پچاس ساٹھ فیٹ نیچے زمین کی سطح تھی، یہ عجیب و غریب منظر

قندھار کی سب سے بڑی بلندی پر ہم اس وقت کھڑے تھے، نیچے میدان مین دریائے ارغنداب بہ رہا تھا اور اس کے
بعد تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دو اور ندیان بہ رہی تھین، الغرض نیچے تین تین ندیان یا فطری نہرین آہستہ آہستہ
مصروفِ خرام تھین، اور ان ندیون یا نہرون کے کنارون کے برابر تیس میل تک متصل انار اور دوسرے میوون کے
باغ در باغ کا سلسلہ نظر کے سامنے تھا، ایسا دلچسپ فطری منظر میری آنکھون نے اب تک نہین دیکھا تھا، جدھر نظر
اٹھتی تھی جنّٰت تجری من تحتہا الانہار کا سان دکھیتی تھی،

بابا کا مزار

اللہ والون کی کیا بات ہے؟ یہ مخلوق کے ازدحام سے بھاگ کر جب کسی گمنام گوشہ کو ڈھونڈتے تھے،
تو عموماً ان کی نگاہِ انتخاب قدرت کے کسی نہ کسی سادہ مگر دلچسپ منظر پر جا کر پڑتی تھی، اکثر بزرگون کی چلہ کشی اور
عبادت کی جگہین اسی قسم کے مقامات ہین، پورٹ سوڈان کو اب جا کر انگریزون نے آباد کیا اور بندرگاہ بنایا ہے،
مگر حیرت ہوتی ہے کہ ایک بزرگ نے خدا جانے اس سے کتنا زمانہ پہلے اس کو اپنے عبادت خانہ اور مدفن کے لئے
پسند کیا، چنانچہ بحر احمر کے افریقی ساحل پر پورٹ سوڈان کے قریب ان کا مزار ہے، ارغنداب کا یہ دلچسپ نظارہ کب
کسی نظارۂ قدرت کے طالب سے بچ سکتا تھا، ایک بزرگ نے جو بابا ولی کہلاتے ہین، اس مقام کو پسند کیا، ان کا مزار
اس بلندی پر واقع ہے، اور اس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کا کھلا دالان ہے، سال مین ایک دفعہ یہان میلہ لگتا
ہے، اور دنبے قربانی ہوتے ہین، شہر کے خوش مذاق دوستون کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے یہان اکثر آتے ہین، اور
کھانا پکاتے اور کھاتے ہین،

یہان سے واپسی مین مامور صاحب نے سڑک سے ایک اونچی پہاڑی دکھائی، جس کی قدرتی شکل ایسی تھی
جیسے معلوم ہوتا ہو کہ ایک بہت بڑا ہاتھی سینکڑون گز لمبا سامنے بیٹھا ہے،

بجلی گھر

دریائے ارغنداب کی روانی سے علاوہ باغون کی سیرابی کے موجودہ حکومت نے جدید سائنٹفک فائدہ
اٹھانا چاہا ہے، چنانچہ ان دریاؤن کے بہاؤ سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے اس کے لئے اسی کے قریب ایک بجلی گھر بنایا ہے،
بجلی کے چند ماہرین اس مین کام کرتے ہین، بجلی کے ستون سڑکون پر قائم کئے جا چکے ہین، اور تار بھی پھیلائے جا چکے

ہین، مگر ابھی تک بلبئی کے محاورہ مین کارخانہ "چالو" نہین ہوا ہے، امید ہے کہ اتنے عرصہ مین یہ کارخانہ شہر کے گھرون اور سڑکون کو پرنور بنا چکا ہوگا،

چہل زینہ اس پہاڑی سے اتر کر ہم قندھار کے باہر کی دوسری سمت مین چلے، اور ایک اور پہاڑی کے پاس پہنچے، شہنشاہ بابر نے اس پہاڑی کے اوپر اپنے ہندی فتوحات کا کتبہ لگایا ہے، اس پہاڑی کے دامن مین پہنچکر ہم موٹرون سے اترے، حکومت نے اس پہاڑی تک سڑک بنادی ہے، دامن سے پہاڑی تک پتھر کاٹ کر زینے بنائے گئے ہین، ہمراہیون مین سے میرے اور پروفیسر ہادی صاحب کے سوا کسی اور نے اوپر چڑھنے کا شوق نہین کیا، کہنے کو تو یہ چالیس زینے ہین، مگر دراصل تعداد مین یہ چھیالیس ہین، حکومت نے زینہ کے دونون طرف لوہے کے کٹہرے لگادیئے ہین، تاکہ چڑھنا اترنا، آسان اور محفوظ ہو، یہ سیڑھیان پہاڑ کو کاٹ کر بنائی گئی ہین، جو زیادہ صفائی کے ساتھ نہین بنی ہین، ہم نے ہمت کر کے ان سیڑھیون پر چڑھنا شروع کیا، گو اب تھوڑی محنت سے بھی دم پھول کر سینہ مین درد محسوس ہونے لگتا ہے، تاہم مین نے ہمت نہین ہاری، اور اوپر تک چڑھ گیا، اوپر پہاڑ کی سطح کو کھود کر مسجد مین امام کے سامنے والی محراب کی طرح ایک محراب بنائی گئی ہے، جس کے بیچ مین ایک طاق ہے اور اس مین شہنشاہ بابر کے حکم سے جلی خط مین ہندوستان کے ان شہرون کے نام بہ ترتیب وقوعِ جغرافی کندہ کئے گئے ہین، جنکو اس نے بزور بازو فتح کیا تھا، اور اوپر بادشاہ کا نام لکھا ہے، پورب کے شہرون مین سے پٹنہ، حاجی پور، ترہت، سہسرام سے لیکر لکھنؤ، اور وہان سے لاہور تک کے شہرون کے نام ہین، دن آخر ہو چکا تھا، اس لئے ان نامون کو نقل نہ کر سکا، واپسی کی جلدی تھی،

مجوزہ جدید شہر قندھار موجودہ شہر سے باہر اور چہل زینہ سے قریب ہم نے بعض نئی سڑکین، روشین، اور ایک نئے شہر کی طرح ڈالنے کے نشان دیکھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ امیر امان اللہ خان یہان جدید اصول پر نئے شہر قندھار کی بنیاد ڈالنی چاہتے تھے مگر زمانہ نے وفا نہ کی،

فوجی میدان ارغنداب سے واپسی مین اور چہل زینہ کو آتے ہوئے ایک میدان ملا تھا جسمین افغانی فوج، ورزشی کرتبون، فوجی کھیلون اور قومی رقص مین مصروف نظر آئی،

شہر کی کیفیت اس شہر کی سڑکین عموماً اچھی نظر آئین، بیرون شہر کی سڑکین بھی صاف اور ہموار بنی ہوئی تھین، اور سب بڑھکر اس کی سرسبزی و شادابی کا منظر ہے، ہر طرف میدان ہی میدان ہے، ساتھ ہی ساتھ نہرون کی کیفیت یہ ہے کہ جدھر نگاہ اٹھایئے پانی کی ہلکی سی لکیر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے، عموماً سڑک کے ساتھ اس کے پہلو بہ پہلو پتلی سی نہرین ہر طرف روان ہین، باہر سے آنے والی سڑک اور شاہ بازار کی سڑک مین یہ کیفیت خاص طور سے نمایان ہے،

اسلامی شہر کا منظر چہل زینہ سے واپسی مین مغرب کا وقت ہو گیا تھا، اور اسلامیت کا یہ کس درجہ پر اثر منظر تھا کہ ہر راہرو، ہر مسافر، ہر دوکاندار جس کو جہان موقع تھا، اس نہر روان پر بیٹھکر وضو کر رہا تھا، اور چادر بچھا بچھا کر اگر جماعت کی صورت نہ تھی تو تنہا کھڑا رو بقبلہ نماز ادا کر رہا تھا، بیچ بیچ مین ایسے چبوترے بھی ملے جنپر نماز باجماعت ادا ہو رہی تھی، آباد مسجدین بھی ملین، بازار پر گذر ہوا تو دیکھا کہ دوکاندار سے لیکر خریدار تک نہر پر وضو کر رہا تھا، یا مصروف نماز تھا، کوئی اپنی دوکان ہی پر اور کوئی دوکان سے نیچے کپڑا بچھا کر کھڑا تھا، یہ روح پرور نظارہ قندھار کے سوا اس ملک مین مجھکو اور کہین نظر نہین آیا،

شہر کی رونق شاہ بازار کی سڑک اب کھل گئی تھی، اسی راہ سے واپس ہو کر ارک پہنچا، اور نماز مغرب ادا کی، اب رات کی آمد آمد تھی، تمام بازارون مین پوری روشنی تھی، یہان دوکانین جلد بند ہوتی ہین، شاہ بازار کی دوکانین البتہ شام کے بعد بھی کھلی رہتی ہین، اور ان مین روشنی معلوم ہوتی ہے، ارکِ شاہی کے اس رخ سے جو شاہ بازار کی طرف ہے دیر تک کھڑا رہا، سڑکون پر روشنی کے بلند ہنڈے آویزان تھے، جنسے سارا بازار روشن تھا،

باغ عمومی مین بینڈ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ارک کا جو رخ شاہ بازار کی طرف ہے اس مین ارک اور بازار کے بیچ مین ایک باغ عمومی یعنی پبلک گارڈن ہے، اس وقت اس باغ عمومی مین "جنتِ نگاہ" کے ساتھ ساتھ "فردوسِ گوش" کا بھی سامان تھا، یعنی بینڈ ماسٹر کی نگرانی مین افغانی فوجی باجہ سڑک پر باقاعدہ دور کر کے نغمہ سرائی مین مشغول تھا، بیچ کی سڑک سے نمودار ہو کر ارک کے نیچے تک پہنچکر بازو کی سڑک پر گھوم جاتا تھا، اور وہان سے آہستہ آہستہ چلکر پھر بیچ کی سڑک پر پہنچ جاتا تھا، کہین کہین مقررہ مقامات مین تھوڑی تھوڑی دیر کھڑا بھی ہو جاتا تھا، یہ نغمہ سرائی ایک گھنٹہ تک جاری

رہی ہوگی، اس کے بعد وہ اپنا مقررہ وقت ختم کرکے ارک کے سامنے آداب بجالاکر رخصت ہوگیا، یہ متمدن ملکون کے شہرون کی پوری نقل تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ انتظام یہان کی مینوسپلٹی کی طرف سے ہے، ہر روز شام کو یہان آکر فوجی بینڈ باجہ بجاتا ہے،

راس مسعود صاحب کا شبینہ سفر

ہمارے رفقا مین سے سید راس مسعود صاحب کو واپسی کی سخت جلدی تھی، وہ چاہتے تھے کہ آج ہی شب کو یہان سے رخصت ہوکر صبح کو چمن پہنچین، اور چمن سے موٹر ہی پر چل کر دوپہر کی گاڑی کوئٹہ مین پکڑین اور وہان سے ریل پر سوار ہوکر علی گڈھ روانہ ہوجائین، لیکن مشکل یہ تھی کہ سید صاحب کی سواری کی موٹر خراب ہوچکی تھی، اور کسی دوسری موٹر کے انتظام مین دقت تھی دوسری دقت یہ تھی کہ جب تک انگریزی قونصل خانہ قندھار کے فارم پر موٹر کے تمام ضروری حالات وکیفیات لکھکر اس سے اجازت نہ لیلی جائے، موٹر چل نہین سکتی تھی،

قندھار کا برطانی قونصل خانہ

قندھار مین انگریزون کا ایک قونصل خانہ بھی ہے، جو ارک شاہی سے قریب ملا ہوا ہے، آجکل یہان کے قونصل ہمارے دوست سید غلام بھیک صاحب نیرنگ کے حقیقی بھائی خان بہادر سید صدیق حسن صاحب ہین، موصوف عصر کے وقت ملنے بھی آئے تھے، ڈاکٹر اقبال سے ان کی پرانی ملاقات اور گویا ہموطنی تھی، دبلا پتلا بدن، ادھیڑ عمر کی کچی پکی داڑھی، سر پر پنجابی صافہ اور کوٹ، ملنے مین خلیق، ملنسار اور متواضع، وہ پہلے سواحل عرب کی ریاستون مین سے شاید بحرین مین انگریزی قونصل تھے، اب قندھار مین ہین، ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب جو مسلم یونیورسٹی مین فلسفہ کے پروفیسر ہین، اُن سے سید موصوف کی خاص عزیزداری ہے، اس بنا پر سید راس مسعود صاحب نے اپنے سفر کے مشکلات کے حل کرنے مین مدد چاہی، انھون نے اسکا حل یہ پیدا کیا کہ خاص اپنی کار جس کے مذکورہ بالا قانونی مراحل پہلے سے طے تھے، اور جسکا شوفر بھی راستہ کے جزئیات سے پورا واقف تھا، راس مسعود صاحب کے حوالے کردی، ان کے اسباب کے لیجانے کے لئے افغانی لاری تیار کردیگئی تھی، بیچارہ سرور خان گویا، اور مامور صاحب اپنی ذمہ داریون کو دیکھتے ہوئے سید صاحب کے اس شبینہ سفر کی سخت مخالفت کررہے تھے، مگر انھون نے کسی طرح نہ مانا، مجبوراً بادلِ ناخواستہ ان کو رخصت کیا، چند مسلح سپاہی ساتھ کردیئے، راستہ مین قلعۂ نو کے محافظین کو ٹیلیفون

کردیا کہ جو موٹر اور لاری اس وقت جارہی ہے ان کی مزاحمت نہ کرین اور آگے بڑھنے دین، اور فوجی چوکیون کے ہر افسر کو ٹیلیفون سے حکم دیا گیا کہ جب جس کی سرحد سے یہ موٹر گذرے وہ قندھار کے اعلیٰ دفتر کو اطلاع دے، اس انتظام کے ساتھ سید صاحب مع پروفیسر ہادی حسن کے قندھار سے رخصت ہوئے، ۱۲ بجے شب کو وہ یہان سے چلے تھے، اور صبح کو معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب سے کچھ پہلے وہ افغانی سرحد سے بخیر وخوبی گذر کر ہندوستان کی سرحد مین داخل ہوگئے،

شب کا قیام

باقی رفقا نے رات قندھار ہی مین بسر کی، رات کو پوری ٹھنڈک تھی، سب نے کھلے کمرون کے اندر مسہری کے پردون مین چادرین اوڑھکر آرام کیا، مین صبح کو حسب معمول اٹھا، اور صبح کے دوگانہ کے بعد ارک سے اوتر کر پیادہ اور تنہا شہر کی طرف رخ کیا،

سڑکون کی سیر

مین ارک کے زینہ سے اتر کر باغ عمومی مین آیا، دونون طرف تپلی سی نہرین بہ رہی تھین، ابھی باغ کا آغاز ہے، سڑکین بھی بن رہی تھین، ارک کے سامنے کی دوکانون کی تعمیر بھی جو جدید طرز پر ہورہی تھی، ابھی پوری نہین ہوئی تھی، کنارہ کی سڑک سے ایک ایک دوکان پر غور کی نظر ڈالتا ہوا، شاہ بازار کی طرف چلا، ہر دوکان پر نہایت اہتمام سے فارسی زبان وخط مین سائن بورڈ لگے ہوئے تھے، سب کے تختے سیاہ اور حروف سپید تھے، ہر دوکان کے سائن بورڈ پر اس کے مالک کا نام مع پیشہ یا جنس دوکان کے اظہار کے لکھا ہوا تھا، مثلاً یعقوب علی خان کتاب والا، احمد خان گھی والا، سردار خان شکر والا،

اردو کی عالمگیری

اردو تو جلال آباد، کابل اور غزنین ہر جگہ ملی، مگر قندھار کی ایک خاص امتیازی شان یہ دیکھی کہ دوکانون پر سائن بورڈ کے اوپر ہر جگہ پیشہ یا جنس دوکان کے اظہار مین اردو لفظون کا اظہار تھا، اور والا کا لفظ جو خالص اردو ہے، ہر دوکان کے سائن بورڈ پہ درج تھا، مثلاً فلان خان کتاب والا، گھی والا، شکر والا، والا کی اس کثرت استعمال کو دیکھکر بمبئی یاد آگئی جہان بوتلی والا (بوتل والا) اور اسٹیشن والا تک سنائی دیتا ہے،

دوکانین سویرے کھلتی ہین

یہان جس طرح دوکانین سویر بند ہوتی ہین، سویر کھلتی بھی ہین، طلوع آفتاب کیساتھ دوکانین کھل رہی تھین، کھانے کی دوکانین جابجا تھین، اور یہ بالکل اسی طرح کی تھین جس طرح لکھنؤ اور دلّی مین

نانبائیون کی دوکانین ہین، یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوتا تھا کہ دوکانون پر خانصاحب بیٹھے ہوئے کہین ہلدی دھنیا بیچ رہے ہین، کہین غلہ تول رہے ہین، کہین کپڑے ناپ رہے ہین،

مین اس سڑک مین اس گنبد تک گیا جس کو حیدرآباد کے چار مینار سے تمثیل دے چکا ہون، راستہ مین سڑک پر جابجا دودھ، دہی، بالائی بیچنے والے بیٹھے تھے، یہان کا جماؤ دہی خاص طور پر نہایت عمدہ ہوتا ہے، مٹی کے چھوٹے چھوٹے آبخورون مین وہ جما ہوا بازار مین فروخت ہوتا ہے، دودھ دہی والے یہ آبخورے لئے جگہ جگہ بیٹھے تھے، خصوصاً گنبد کے نیچے کی چھت مین ان دہی بیچنے والون کا بڑا ہجوم تھا،

دوکانون کی کیفیت

یہ دوکانین مسقف تھین، یہان گنبد نما یا ماہی پشت کچی چھتون کا رواج ہے، دوکانون مین عموماً صرف ایک کمرہ یا کوٹھری نظر آئی، سامنے بازار کے رخ دروازے کھلے ہوئے، سامان کی حیثیت سے دکانین بہت معمولی تھین، کپڑون کی دوکانون مین بھی سوتی کپڑے تھے، اور بہت معمولی تھے، چھینٹ کے کپڑے اکثر پھیلے تھے، دوکانین گو صاف تھین، مگر چونکہ اعلیٰ معیار کے عمدہ سامان واسباب سے خالی تھین، اسلئے نمایش مین وہ پُررونق نہین معلوم ہوتی تھین،

شاہ بازار کی مسجد

شاہ بازار کے بیچ مین ایک مسجد ملی، مین اس مین داخل ہوا، مسجد معمولی تھی مگر منبر ایک خاص پتھر کا عمدہ تھا، معلوم ہوا کہ یہ پرانے زمانہ کی شاہی تعمیر ہے،

پتھر کی صنعت

قندھار کی خاص چیز پتھر کی صنعتکاریان ہین، یہان ایک پتھر ہوتا ہے جسکا نام سنگ شاہ مقصود ہے، یہ سپید، زرد اور سبز تین رنگون کا ہوتا ہے، سب سے سستا سپید، پھر زرد اور گران اور کمیاب سبز ہے، اس پتھر کی پہلے عموماً تسبیحین بنتی تھین اور اب اس زمانہ مین حال کی ضرورت کی دوسری چیزین بھی بنتی ہین، مثلاً کاغذ دبانے کا پتھر، سگریٹ کی ڈبیہ، سگریٹ کا پائپ، میوہ دان اور شمعدان وغیرہ،

دکاندار

سید راس مسعود صاحب اپنی عزیز خواتین کے لئے تحفہ کے طور پر اس پتھر کی چند تسبیحین خریدنی چاہتے تھے، ماسور صاحب نے رات کے وقت چند دوکاندارون کو سامان لیکر ارک مین بلوایا، ایک ایک بکس مین ہر شخص اپنا سامان لیکر آیا، اور بات چیت شروع کی، زبان فارسی تھی، اللہ اکبر! ہر طرح کی قسم وقرار اور اظہار ایمانداری کے باوجود

قیمت کے بتانے، اور مول تول مین اتنی فضول گوئی ہوئی کہ بیگانہ آدمی کبھی صحیح قیمت پر چیز خرید ہی نہین سکتا، سو سوا سو روپیہ قیمت کہکر مول شروع ہوا، اور دس بارہ روپیہ پر تمام ہوا، سبز تسبیح کے دانے پندرہ روپیہ مین ملے، ان کے ساتھ تسبیحون کے گوتھنے کا سامان بھی ساتھ رہتا ہے، اسی وقت تسبیحین دھاگے مین پرو کر خریدار کے حوالہ کین،

مدرسے اور علمی ادارے

اتنی جلدی مین یہان کا کوئی مدرسہ یا علمی ادارہ نہین دیکھ سکا، کابل کی طرح یہان بھی ایک انجمن ادبی ہے، اور اس کے چند علم دوست ارکان ہین، انجمن کے پاس مختصر سا کتبخانہ بھی ہے، اس انجمن مین فارسی کے بجائے پشتو زبان کو اہمیت حاصل ہے، انجمن کی طرف سے ایک ماہانہ پشتو رسالہ بھی نکلتا ہے، ایک مختصر عجائب خانہ ہے جس کو میوزیم جدید کہتے ہین، عربی کا ایک مدرسہ ہے جسکا نام مدرسۂ محمدیہ ہے، نئی طرز کے دو سرکاری اسکول ہین، ایک کا نام مکتب شعلۂ ماہ، اور دوسرے کا نام مکتب توپخانہ ہے، ان دونون اسکولون مین سے ہر ایک مین پانچسو طالب علم ہونگے، ایک دار المساکین بھی ہے، جس مین محتاجون کو حکومت کی طرف سے کھانا ملتا ہے، خود اہل شہر اور محلہ والون کی طرف سے بھی چند مدرسے ہین، جنمین محلہ کے لڑکے تعلیم پاتے ہین،

قندھار کے پھل اور میوے

قندھار کی تجارت کا سب سے بڑا سامان پھل اور میوے ہین، یون تو اور بھی پھل اور میوے ہوتے ہین، مگر سب سے زیادہ شہرت یہان کے انارون کو حاصل ہے، قندھاری انار جو ہندوستان آتے ہین وہ تو مہینون مین سوکھکر خشک ہو جاتے ہین، وہان کا ایک تازہ انار آدھ سیر سے کم نہ ہوتا ہوگا، اور اس قدر ان مین عرق ہوتا ہے کہ آدھا گلاس عرق ان سے بخوبی نکلتا ہے، البتہ ان مین کسی قدر چاشنی ضرور ہوتی ہے، اس لئے انار کے دانون پر ذرا سا نمک چھڑک کر کھاتے ہین، اور اس ترکیب سے ان کا ایک خاص مزہ ہو جاتا ہے، ہر روز قندھار سے چمن اور کوئٹہ کو ان میوون اور پھلون کی پچیس تیس لاریان آتی جاتی ہین، ان کے لئے وہان خاص قسم کی ٹوکریان بنتی ہین، اور ایک قسم کی لمبی لمبی گھاس چارون طرف سے بھر کر بیچ مین پھل اور میوے رکھتے ہین کہ راستہ مین وہ پچکنے، دبنے اور چور ہونے سے محفوظ رہین،

———

حیاتِ مابعدؔ

از

جناب ضامن حسین صاحب نقوی مصنف "فلسفۂ نفس"

جناب ضامن حسین صاحب نقوی، کی فلسفیانہ تصنیف "فلسفۂ نفس" کا تعارف جو ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد کی جانب سے شائع ہوئی ہے، چند ماہ گذرے ناظرینِ معارف سے کرایا جا چکا ہے، اسکی تالیف مین موصوف کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ علم النفس کے قدیم وجدید دونون قسم کے مباحث کے مطالعہ سے جو خیالات ونتائج مستحضر ہوئے، ان پر آزادانہ غور وفکر کرکے، انھین تسلسل کے ساتھ قلمبند کر لیا جائے، موصوف نے اسی طریق پر مسئلۂ "حیات مابعد" پر بھی غور کیا، اور انھین ایک تصنیف کا خیال پیدا ہوا، لیکن وہ چاہتے ہین کہ کتاب کی تکمیل و اشاعت سے پیشتر اس کے کچھ ابتدائی حصے معارف کے ذریعہ اہل علم کے سامنے اظہار رائے کے لئے پیش فرمائین، اسی مقصد سے یہ اوراقِ ذیل، شریکِ اشاعت ہین جنمین "حیات" "ماہیت حیات" اور "مقصد حیات" پر سلیس انداز بیان مین مختصرًا بحث کیگئی ہے، اور پھر وہ انھی مقدمات سے مسئلہ "حیات مابعد" پر روشنی ڈالین گے۔

"سب اڈیٹر"

انسان کا جسم مجموعہ ہے اعضاء وجوارح کا، اعضاء، دل، دماغ، جگر، معدہ، طحال، شریان، اور ورید وغیرہ ہین اور جوارح، آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ پاؤن وغیرہ،

دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے جسم مین کوئی شے بیکار بھی ہے؟ آنکھ، دیکھنے کے لئے ہے، ناک، سونگھنے کیلئے، کان سننے کے لئے ہے، زبان، ذائقہ پہچاننے اور بات چیت کرنے کے لئے، ہاتھ گرفت کے لئے اور پاؤن چلنے پھرنے کے لئے، اور یہی حال اور اجزائے بدن کا ہے کہ دل، شریان اور ورید سے دورانِ خون کا فعل وابستہ ہے، پھیپھڑون

سے تنفس کا، دماغ سے، حس وحرکت کا، جگر، معدہ اور طحال سے ہضم کا، غرضکہ ہر جزو کا ایک جداگانہ عمل اور ہر عمل کی ایک جداگانہ غایت ہے[1]

یہ بات تو اور ہے کہ ہماری سمجھ مین نہ آئے اور ہم غلط فہمی سے کسی جزوِ بدن کو بیکار سمجھنے لگین، جیسا کہ بعض کا گمان ہے، اگر حقیقت یہ ہے کہ جسم انسانی مین ایک ذرہ بھی ایسا نہین جو بیکار وعبث ہو، جو کسی کام کے لئے نہ ہو یا جسکی کوئی غرض وغایت نہ ہو،

یہ مان لینے کے بعد کہ جسم انسانی مین جو کچھ ہے، اُسکی کوئی نہ کوئی غرض وغایت ضرور ہے، غور طلب یہ ہے کہ جب جسم انسانی مین کوئی شے بیکار نہین، ہر شے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رکھتی ہے تو کیا خود انسان کی زندگی کی جس کے بغیر، جسم وجسمانیات کا ہر نظام محض بیکار وعبث ہے، کوئی غرض وغایت نہو گی؟ یقینًا ہو گی اور ضرور ہو گی،

لیکن ہماری زندگی کا فطری مقصد کیا ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس کی تشریح وتوضیح بالآخر ہمین ایک ایسی حقیقت سے روشناس کراتی ہے، جسے نظریۂ حیات مابعد، آیندہ زندگی کا نظریہ کہتے ہین، اور یہی وہ کاوش ہے، جو حیاتِ انسانی کو اُس پیش پا افتادہ منزل سے، جس کو انتہائے زندگی یا موت کہا جاتا ہے، بہت آگے لیجاتی ہے،

اب سمجھنا یہ ہے کہ ہمین اپنی زندگی کا فطری مقصد معلوم کیونکر ہو؟ تلاشِ مقصد مین اصول یہ ہے کہ کسی شے کے اجزائے ترکیبی کا علم مقدم ہے اس کے مقصد کے علم پر، اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہین کہ ایک شے کس کام کیلئے بنائی گئی ہے، یا اسکی علت غائی کیا ہے، تو پہلے آپ اسکے اجزائے ترکیبی معلوم کیجئے، اسکی ماہیت پر غور فرمائیے، پھر آپ یہ معلوم کرسکینگے کہ وہ شے کس غرض کیلئے بنائی گئی ہے، یا اسکی علت غائی کیا ہے، مثلًا اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ گھڑی کس لئے بنائی گئی ہے، تو پہلے آپ اُسکے اجزائے ترکیبی معلوم کیجئے، گھڑی کے اجزائے ترکیبی تمام وہ پرزے اور حصے ہین جنسے ملکر گھڑی بنی ہے، انھی چیزون پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ گھڑی کے تمام اجزائے ترکیبی اپنے متحدہ عمل سے کیا کام کرسکتے ہین، وہی کام جس کو متحدہ طور پر تمام پرزے مل کر

[1] افعالِ اعضا کی تفصیلات کا تعلق، علمِ افعالِ اعضا سے ہے اور اعضاء وجوارح کی تشریحات کا فن تشریحاتِ بدن سے، مگر یہان بحث کلیاتِ اغراض ومقاصد سے ہے، جزئیاتِ علمِ افعالِ اعضا اور تشریحاتِ بدن سے نہین،

انجام دیتے ہوں، گھڑی کی علت غائی ہوگا، بہرحال کسی شے کی علت غائی یا اس کی فطری غایتِ وجود سے ہم اس وقت تک باخبر نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو کہ وہ شے کیا ہے یا اس کی ماہیت کیا ہے، اس لئے مقصدِ حیات کا علم منحصر ہے حقیقتِ حیات کے علم پر، منزل تک پہنچنے سے پہلے اس کے ابتدائی مراحل سے گذرنا لازمی ہوتا ہے،

حقیقت میں مقدم اور نہایت اہم بحث، ماہیتِ حیات ہی کی ہے، جب ہم یہ سمجھ گئے کہ زندگی کیا شے ہے تو اس کے مقصد و منتہا سے بھی بے خبر نہیں رہ سکتے،

اگر اس وقت آپ کے سامنے زندگی کی یہ تعریف بیان کیجائے کہ زندگی وہ ترقی کرنے والی شے ہے، جس کے گذشتہ مدارج و مراحلِ ارتقائی کا نام حیاتِ ماقبل ہے، مراحل حاضرہ کا نام حیاتِ موجودہ اور مراحلِ مابعد کا نام حیات مابعد تو شاید آپ اسے ایک افسانہ سمجھیں گے، مگر ماہیتِ حیات سمجھ لینے کے بعد، مدارج حیات کی یہی تفصیل آپ کو ایک حقیقت معلوم ہونے لگے گی،

مقصدِ تصنیف: تحقیقِ حیات مابعد ہے، مگر یہ اسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ غور کیا جائے کہ حیات فی نفسہٖ ہے کیا شے، جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ حیات کیا ہے تو اس کے مدارج ماقبل و مابعد سبھی سمجھ میں آجائیں گے، علم ماہیتِ حیات ہی وہ نقطۂ آغاز ہے، جس پر تمام مسائلِ حیات متفرع ہیں، یہی وہ ابتدا ہے جس کے بغیر ہم انتہا تک نہیں پہنچ سکتے،

مذکورۂ بالا اصولِ فکر و نظر کی عملی تشکیل، کتاب پیشِ نظر کے ابواب و فصول کی ترتیب ہے، یعنی پہلا باب ماہیتِ حیات کا ہے، دوسرا، حیاتِ موجودہ کا اور تیسرا، حیاتِ مابعد کا اور ہر باب اپنے مسائلِ متعلقہ کا حامل ہے، یہ ہے ایک اجمالی خاکہ اس کتاب کا،

کس قدر محلِ حیرت و استعجاب ہے، اگر ہم اپنی اس زندگی کے انجام و مآل سے بے خبر ہیں، جس کے لئے سب کچھ کریں یا سب کچھ گوارا کریں!

ہر وہ شخص جسے اپنی زندگی کی اہمیت کا صحیح احساس ہوگا، جو اپنی زندگی کو فرصتِ لہو و لعب و دورِ

ناعاقبت اندیشی نہ سمجھتا ہوگا، جس پر جہل و جہل علم نما کی تاریکیاں نہ چھائی ہونگی، جس کا مطمحِ نظر لذت اور جس کی عملی زندگی، لذت کوشی نہ ہوگی، جس کی فکر، بیداری اور جس کی بیداری، مآل اندیشی ہوگی، ضرور اپنی زندگی کے صحیح مقصد و مصرف پر غور کریگا، یقیناً معلوم کرنا چاہیگا کہ اس شب و روز کی جد و جہد کا کیا حاصل ہے، بلا شبہ اُسے فکرِ انجام ہوگی، کوئی شک ہی نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے فطری مقصد سے غافل رہنا کبھی گوارا نہ کریگا،

اگر مآلِ کارِ حیات، خاک ہونا ہی مان لیا جائے تو قطع نظر اس احساس کے کہ اس مادی نقطۂ نظر سے مآلِ نیک و بد، انجام عفت و سیہ کاری، نتیجۂ سعادت و شقاوت ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور معیارِ اخلاق صرف خود غرضی و درندگی ہی رہجاتا ہے[1]، اور اسے احساسِ انسانیت و ضمیرِ فطرت کسی طرح قبول نہیں کرتا، ہم یہ کہتے ہیں کہ اس غلط فہمی کے بعد کہ انجام حیات بجز خاک ہو جانے کے اور کچھ نہیں، نہ ہمیں اپنی حیات کا کوئی فطری مقصد نظر آتا ہے، نہ اس کائنات کا، نظامِ حیات تو ہمارے نزدیک حاصلِ نظامِ کائنات ہے، جب نظامِ حیات ہی لایعنی نتیجہ ہو تو نظامِ کائنات کا حاصل معلوم، جب ماخوذ ہی بے مصرف ہے تو ماخذ کی بھی کیا قیمت ہو سکتی ہے، یہ بھی لغو، وہ بھی لغو، یہ بھی بیکار، وہ بھی بیکار، نہ اس کا کوئی مقصدِ انتہائی نہ اسکی کوئی علت غائی،

لیکن کوئی سلیم الفطرت انسان جس کی زندگی محرومِ عبرت و بصیرت نہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی اس ذلتِ علم و ادراک، اس ننگِ عبرت و بصیرت کو گوارا کر سکتا ہے؟

وہ صحیفۂ فطرت، وہ کتابِ حقائق و معارف، وہ رہنمائے فکر و نظر یعنی وہ نظامِ کائنات، جس کے نوامیسِ فطری پر غور کرنا، جس کے غیر متزلزل اصولوں سے سبق لینا، جس کی بصیرت افزا غایت و نہایت کو سمجھنا، حاصلِ علم

[1] اگر پوچھا جائے کہ کس بنا پر کسی خلق و عمل کو اچھا یا برا کہہ سکتے ہیں، معیارِ رذائل و فضائلِ اخلاق کیا ہے؟ تو ایک وہ شخص جو اپنی زندگی کو اسی دنیا اور یہیں تک محدود سمجھتا ہے اپنے طرزِ عمل سے بتائے گا کہ اس کے نزدیک معیارِ نیک و بد صرف "خود غرضی" ہی ہے، جو خلق و عمل اس کی ذات کے لئے اس زندگی میں مفید ہے، نفع بخش ہے، وہی اچھا ہے، اور جو ایسا نہیں وہی مذموم ہے، برا ہے،

وادراک، مقصدِ فکر و نظر، غایتِ دانش و بینش ہو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بجائے خود ایک بے غرض و غایت، بے نتیجہ شے ہو، ممکن ہے کہ اس کا کوئی مقصد انتہائی نہ ہو؟ ناممکن

پھر ہم یہ کہتے ہین کہ جب نظامِ کائناتِ فطرت لغو و بیکار نہین تو حاصل نظامِ کائنات، یعنی حیات کیونکر ایک بے نتیجہ شے ہو سکتی ہے؟ ضرور اس کا بھی کوئی مقصد ہوگا،

اگر ہم یہ سمجھتے ہین کہ نہ حیات کا کوئی مقصد ہے نہ کائنات کا، جو کچھ ہے لغو و بے کار ہے تو یہ نہ صرف نظریہ اغراض و مقاصد کا انکار، حقائق کائناتِ فطرت کا انکار بلکہ اپنی لغویت کا اعتراف ہوگا، حقائق فطرت کا انکار کون کر سکتا ہے مگر وہی جو محرومِ بصیرت و بیگانۂ رموز فطرت ہو،

بلاشبہ اسی قسم کے احساسات ہین جو اس نظریۂ مادیت کی کہ انجام زندگی، صرف خاک ہو جانا ہی ہے، تائید نہین کرنے دیتے، اسی قسم کے تاثرات ہین جو سلامتیِ ذوق و نظر کو دعوتِ فکر و تدبر دیتے ہین، تقاضائے فطرت ہے کہ انسان جب تک انسان ہے، امتیازِ انسانیت مین ترقی کرے اور ترقی کرتا ہی رہے، امتیازِ انسانیت ہے کہ انسان ترقی علم وادراک مین قدم آگے بڑھائے اور بڑھاتا ہی چلا جائے۔ خلاف مقصد حیات ہے کہ انسان اپنے جہل پر قانع رہے مقصد حیات ہے کہ اوہام و ظنون کا پردہ اٹھا دیا جائے،

ہم سے پہلے اور بہت سے سوچنے سمجھنے والون نے ان مسائل پر غور کیا ہے، نتیجہ سے بحث نہین، جو صلہ افزا ہو کہ ہمت شکن، کاوشِ علم کبھی شرمندۂ تقلید نہین، آؤ آج ہم بھی اپنے ہادی و رہنمائے حقیقی سے کہ جس کے سوا کوئی رہنمائے فکر و نظر نہین، بقلب صحیح التجائے رہنمائی کرین، اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی،

"حیات"

ہماری زندگی اور اس کا آغاز و انجام کیا ہے؟ اگر پیدائش کو زندگی کا آغاز، حس و حرکت کو زندگی اور موت کو زوالِ حس و حرکت یا زندگی کا خاتمہ مان لیا جائے تو اس علم مین ایک بڑے سے بڑا جاہل اور ایک بڑے سے بڑا فلسفی دونون ہم مرتبہ اور ایک ہی صف مین نظر آئین گے، ہزارون بچون کا پیدا ہونا، ہزارون انسانون کا مرکر خاک مین ملجانا کس کے علم مین نہین، کون نہین جانتا کہ مردہ بے حس و حرکت ہوتا ہے، اس لئے حس و حرکت ہی کو اصل زندگی کون نہین سمجھ سکتا، پھر کیا زندگی اور اس کا آغاز و انجام یہی ہے؟

آغاز و انجام سے ابھی بحث نہین، آؤ پہلے ہم یہ تو غور کرین کہ خود یہ زندگی کیا شے ہے؟ عام طور پر جب کسی حیوان وانسان مین کوئی حس و حرکت نہین پاتے تو اسے مردہ بے جان کہتے ہین گویا کہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جان یا زندگی قوت حس حرکت ہی کا نام ہے، یہ عقیدہ کچھ عوام الناس ہی کا نہین، خواص بھی اس مین برابر کے شریک ہین، اجسام زندہ (حیوان) کی منطقیانہ تعریف، جسم نامی حساس و متحرک بالارادہ، بہت معروف ہے، اس کے بھی یہی معنی ہوئے کہ وہ بڑھنے والے جسم، جن مین احساس کے ساتھ ساتھ، کوئی حرکتِ ارادی بھی پائی جاتی ہو حیوان، ذی حیات، جان دار، یا زندہ ہین، معلوم ہوا کہ حیات زندگی قوت احساس و حرکت ارادی ہی ہے، اور وہ اجسامِ متحرک بالارادہ ہی مین پائی جاتی ہے، اس لئے اجسامِ متحرک بالارادہ ہی کو حیوان یا زندہ اجسام کہتے ہین،

زندگی کے اس تخیل نے کہ زندگی صرف قوتِ حس و حرکت ہی کا نام ہے، زندہ کائنات کے ایک ناقابلِ احاطہ وسیع دائرہ کو بہت ہی محدود کر دیا، ارض و سما کی نامتناہی وسعتون مین حیوانات کے سوا کوئی شے بھی تو زندہ نہین سمجھی جا سکتی مگر کیا یہ محل تعجب نہین کہ یہ تمام کائنات کون و فساد باوجود اپنی مسلسل حرکتِ کون و فساد کے ایک بے جان و مردہ شے سمجھی جائے اور اسکی حرکتِ تکوین و آفرینش کی ایک متعین شکل یعنی اجسامِ ذی حس و حرکت کو زندہ سمجھا جائے نظامِ عمل تو بے جان ہو اور نتیجۂ عمل جاندار، حس و حرکت ایسی شے کے اعمال سے پیدا ہو جو خود بے حس و حرکت ہو اس کی مثال تو یہ ہوئی کہ ایک مشین (نظام عمل) جو کچھ کام کر رہی ہے وہ تو سب بے جان، بے حس و حرکت ہے، مگر اُس کے کامون کے سب نتائج نہین، ایک متعین نتیجہ، ذی حس و حرکت یا جاندار ہے؟

بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ زندگی قوتِ حس و حرکت ہی کا نام ہے تو بھی کیا ثبوت اس بات کا ہے کہ یہ قوت صرف انواعِ حیوانات ہی مین پائی جاتی ہے، اگرچہ آج یہ امر مشتبہ نہین کہ نباتات مین بھی آثار حس و حرکت پائے جاتے ہین،

پھر بھی قطع نظر اس امر کے کہ نباتات مین بھی آثار حس و حرکت ہین یہ غور فرمائیے کہ

یہ آفرینش کے ہنگامے، سیارون کی گردش، کائنات کے انقلاب، تغیرات، حوادث کیا کہ رہے ہین، تکوین و تخریب، فنا و بقا، جذب و انتشار کی متضاد قوتین نبرد آزما ہین، کبھی سطح ارض، ایک دشت بے آب و گیاہ ہے، کبھی فردوس منظر، کبھی محل خاموشی و سکوت ہے، کبھی ہنگامہ زار ہستی، کبھی نقش و نگار عالم اپنی سطح پر غیر نمایان تھے، آج جز و مناظر فطرت ہین اور ان انقلابات کے مظاہرون کے لئے کچھ یہ سطح ارض ہی منتخب نہین، ہر سطح ہستی پر یہی عالم ہے، بہر لحظہ ایک محشر حوادث برپا ہے، بہر ساعت ایک قیامت انقلاب ہے کہ اٹھ رہی ہے، یہ تغیرات و حوادث کون و فساد کی عملی صورتین یعنی کائنات کے یہ اعمال، یہ جنبشین، یہ ہیجان، یہ حرکتین، علامات حیات ہین کہ آثار موت، قوت عمل، استعداد حرکت، قابلیت جنبش، زندگی ہے کہ مردگی؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ نہین ہو سکتا کہ ایک نظام کے بعض اجزا تو ذی حیات، جاندار یا زندہ ہون اور بعض بے جان، مردہ، آپ جن اجسام کو جس حالت مین زندہ سمجھتے ہین، ان کو دیکھئے اور غور فرمائیے کہ ہر جسم حیوان ایک نظام اعضا و جوارح ہوتا ہے، اب اگر آپ کسی نظام اعضا و جوارح کو زندہ سمجھتے ہین، جاندار مانتے ہین تو یہ نہین ہو سکتا کہ اس نظام زندہ کے بعض اجزا مثلاً دل، دماغ کو تو زندہ سمجھین اور بعض مثلاً ہڈیون کو بیجان، اگرچہ ہر جزو نظام، ذی حس و حرکت نہ ہو مگر کسی جزو کو بے جان نہین سمجھا جا سکتا[1]، اور اس کا سبب یہی ہے کہ تمام جسم حیوانی، ایک نظام واحد ہوتا ہے، جس حالت تنظیم مین ہم اس کو زندہ سمجھتے ہین، اس حالت مین یہ نہین ہو سکتا کہ اس کے بعض اجزا کو زندہ سمجھا جائے اور بعض کو مردہ کہ یہ اجتماع ضدین و نقیضین ہے، سکون و حرکت، موت و حیات کا اجتماع، بیک وقت واحد کسی شے مین محال ہے،

تمام کائنات کا بحیثیت مجموعی ایک منتظم شے ہونا، محتاج ثبوت نہین، کون ہے جو نظام کائنات کا قائل نہین، ذرے سے لیکر آفتاب تک، ہر جزو کائنات، جمادات ہون کہ نباتات، معدنیات ہون کہ حیوانات سب

[1] نظام جسم حیوانی مین صرف اعصاب حس و حرکت ہی ذی حس و حرکت ہوتے ہین، بقیہ اجزا، ذی حس و حرکت نہین ہوتے ہین،

ایک ہی سلسلۂ علت و معلول و فعل و انفعال سے وابستہ و مربوط ہین، تمام کائنات ایک ہی شے ہے، ایک ہی نظام رکھتی ہے[1]، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کے بعض اجزا حیوانات کو تو زندہ سمجھا جائے اور بعض جمادات وغیرہ کو مردہ، حرکت و سکون، حیات و موت کا اجتماع بیک وقت واحد کسی شے مین محال ہے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہین،

یہ تمام بحث اس تخیل کے خلاف تھی کہ حیات صرف قوت حس و حرکت ہے، اصل یہ ہے کہ حیات کا یہ تخیل کہ حیات قوت حس و حرکت ہی ہے، نہایت محدود تخیل حیات کا ہے، اسی محدود تخیل کا نتیجہ ہے کہ ہم نے فقدان قوت حس و حرکت کا نام زندگی کا خاتمہ یا موت رکھا ہے، اور چونکہ حس و حرکت از قبیل اعراض ہے اور اعراض بعد فنا دوبارہ پیدا نہین ہو سکتے، اعادۂ معدوم محال ہے، اس لئے ہم یقین نہین کرتے کہ ہماری زندگی یا ہماری قوت حس و حرکت فنا ہو جانے کے بعد پھر پیدا ہوگی، اور حیات مابعد یا آیندہ زندگی کا کوئی امکان ہے، حیات مابعد کے انکار کی بڑی وجہ یہی ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ یہ حیات، حیات انسانی ہے، جسے قوت حس و حرکت کہتے ہین اور نہ وہ حیات مابعد، جو اعادۂ معدوم کو مستلزم ہو،

پھر حیات کیا ہے؟ ابھی تو آپ سے صرف یہ کہا گیا ہے کہ عام طور پر لفظ حیات، اپنے صحیح مفہوم مین استعمال نہین کیا جاتا ہے، قوت حس و حرکت سے زندگی کی تعبیر ایک وسیع دائرۂ عمل کو محدود کر دینا ہے، حیوانات ہی کو زندہ سمجھنا، اکثر حصۂ کائنات کو مردہ قرار دیدینا ہے، جو نہ صرف خلاف قیاس ہے بلکہ خلاف تجربہ و مشاہدہ بھی ہے، اب یہ دیکھئے کہ حیات فی نفسہ ہے کیا،

"ماہیت حیات"

اگر ہزار آدمیون سے پوچھا جائے کہ وہ کائنات کسے کہتے ہین تو ہر شخص بقدر اپنے معلومات کے کچھ چیزون کے نام گنا دیگا کہ وہ ان چیزون کے مجموعہ کو کائنات کہتا ہے گویا کہ ہر شخص کی کائنات بقدر وسعت معلومات ہے، لیکن معلومات انسانی کا یہ حال ہے کہ ہزارون چیزین جنھین پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، آج ہزارون اشخاص

[1] اس اجمال کی تفصیل آیندہ فصل مین ہوگی،

ان سے واقف ہین اور نہ معلوم کس قدر ایسی چیزین ہونگی جنسے اب تک کوئی بھی واقف نہین، ان چیزون کو تو جانے دیجئے کہ جن سے کوئی واقف نہین، انھین کو دیکھئے جو محسوس و معلوم ہو چکی ہین، کیا کوئی شخص ان چیزون کا جو محسوس و معلوم ہو چکی ہین یا محسوس و معلوم ہو سکتی ہین اندازہ کر سکتا ہے؟ آسمان کے ناقابل شمار ستارے، زمین کی بیرون اعداد طرح طرح کی مخلوق، ہزارون قسم کی معدنی چیزین، ہزارون قسم کی جڑی بوٹی، پھول پھل، بیل بوٹے، ہزارون قسم کے درخت، انواع انواع کے حیوان، حشرات الارض، چرند، پرند، درندے، سچ تو یہ ہے کہ نہ شمار ہو سکتا ہے نہ اندازہ، وہ بھی ان چیزون کا جو محسوس و معلوم ہو سکتی ہین، ان کا کوئی ذکر نہین جو ابھی ہمارے علم مین نہین، خدا جانے اس فضائے آسمانی مین کس قدر ایسے ستارے ہین جو دوربین کی مدد سے بھی نہین دکھائی دے سکتے، نہین معلوم زمین پر کس قدر ایسے جراثیم ہین جو خوردبین کی رسائی سے بھی باہر ہین، کیا معلوم ان سیارون مین کس کس قسم کی مخلوق ہے، کس طرح کی دنیا ہے، کون جانے کہ ان دنیاؤن کا سلسلہ کہان تک چلا گیا ہے،

وسعت کائنات

یہ ہے کائنات اور اس کا ایک نہایت اجمالی خاکہ جس مین وہ سب کچھ پایا جاتا ہے جو پایا جا سکتا ہے جو ممکن ہے جس کا پایا جانا ممکن ہے، محسوس ہو کہ معقول، معلوم ہو کہ نامعلوم،

دیکھنا یہ ہے کہ اس وسیع کائنات مین جو کچھ ہے، جو کچھ پایا جاتا ہے وہ ایک مرتب نظام کی صورت مین پایا جاتا ہے یا ایک شیرازۂ پراگندہ کی صورت مین، تمام موجودات مین کوئی تعلق باہمی ہے یا نہین، کسی ایک نظام سے ہر شے وابستہ ہے یا نہین،

بادی النظر مین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کی ایک چیز کو کوئی تعلق دوسری چیز سے نہین، کہین زمین ہے کہین آسمان، کہین ثوابت ہین، کہین سیارے، جمادات نباتات سے غیر متعلق، نباتات، جمادات سے، حیوانات کو نہ نباتات سے کوئی ارتباط ہے نہ معدنیات و جمادات سے، ہر شے کی صورت جداگانہ، حالت مختلف، امتیاز غیر مشترک، عمل متفرق، ایک سیارے اور دوسرے سیارون مین کروڑون میل کا بعد، پھر کس طرح یہ گمان ہو سکتا ہے کہ سب سیارے اور ان مین جو کچھ پایا جاتا ہے یا ان مین جو کچھ ہے وہ سب کسی ایک نظام واحد کی تشریح ہے، محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ ہر فرد کائنات ایک منفرد شے ہے، کسی شے کو کوئی تعلق کسی دوسری شے سے نہین، نہ کوئی نظام نظر آتا ہے نہ ترتیب، نہ کوئی ربط معلوم ہوتا ہے نہ تعلق،

تمام کائنات ایک منظم شے جسم واحد کیطرح ہے

لیکن یہ سب نارسائی احساس ہے، سورج کی حرارت و روشنی نو کروڑ میل سے ہماری اس زمین اور اسکی ہر چیز ہر پیداوار اس سے تعلق رکھنے والی ہر مخلوق پر اپنا اثر ڈال رہی ہے، سورج اس قدر دور ہو کر بھی اس قدر قریبی تعلق زمین سے رکھتا ہے کہ اگر سورج نہ رہے تو نہ یہ زمین رہ سکتی ہے، نہ اس زمین سے تعلق رکھنے والی کوئی مخلوق ارضی، یہ تعلق سورج کا کچھ اس زمین ہی سے نہین بلکہ اپنے ہر متعلق سیارے سے ہے یعنی تمام نظام شمسی فعل و انفعال مین جسم واحد کی طرح ہے، ہر سیارہ اور اس مین جو کچھ ہے، سب ایک نظام واحد کی شرح ہے،

یہ تو اس نظام شمسی کا حال ہے جس سے یہ زمین تعلق رکھتی ہے جس پر ہم آباد ہین، مگر کائنات کچھ اس نظام شمسی ہی پر محدود نہین، اس فضائے محیط مین بے شمار ایسے نظام شمسی ہین، جس قدر ستارے ہم کو غیر متحرک (ثابت) نظر آتے ہین وہ سب متحرک سیارے ہین، اور کسی نہ کسی نظام سے وابستہ ہین، اور یہ تمام نظام بھی نہین کہ انفرادی طور پر ایک منظم حیثیت رکھتے ہون بلکہ مجموعی طور پر بھی ایک نظام اعلیٰ سے تعلق رکھتے ہین اور ایک نظام اعلیٰ سے وابستہ ہین،

وہی نظام اعلیٰ جس سے ہر نظام شمسی وابستہ و متعلق ہے، وہی نظام کائنات ہے، اس تفصیل سے آپ نے معلوم کیا ہوگا کہ تمام کائنات ایک منظم شے ہے، جس کا ہر جزو، ذرہ ہو کہ آفتاب، گھانس کی ایک پتی ہو کہ بڑے سے بڑا درخت، ایک جرم صغیر ہو کہ ایک بڑے سے بڑا میدان، کوئی شے ہو، ہر شے، دوسری شے سے، ہر فرد، دوسرے فرد سے، ہر نوع دوسری نوع سے، ہر جنس دوسری جنس سے، تعلق، ارتباط، وابستگی رکھتی ہے اور تمام موجودات نہ صرف بہمدیگر وابستہ و متعلق ہین بلکہ ایک ہی نظام اعظم کے اجزا، ایک ہی سلسلۂ علت و معلول کی ناقابل انفکاک کڑیان ہین، یہ ہے کائنات اور اس کا نظام جسے نظام کائنات کہتے ہین،

کائنات اور اس کے نظام کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اعمال کائنات پر نظر ڈالئے!

کائنات نہ صرف عضوی اعتبار سے ایک منظم شے ہے بلکہ اس کے اعمال (اعمال کون و فساد) مین ایک ربط و تسلسل بھی ہے اور کیون نہ ہو کہ یہ قانون فطرت ہے کہ ایک مرتب شے کے اعمال بھی مرتب ہوتے ہین، ایک نظام کے اعمال مین بھی نظام ہوتا ہے، کائنات مین جو کچھ ہوتا ہے، چونکہ ایک مرتب نظام علت و معلول کے

ماتحت ہوتا ہے اس لئے ترتیب کے ساتھ ہوتا ہے، ترتیب وار ہوتا ہے،

اعمال کائنات میں ایک ربط وتسلسل پایا جاتا ہے،

اعمالِ کائنات میں ترتیب ہے، تنظیم، ایک ربط وتسلسل ہے، یہ مان کر کہ اعمال کائنات میں ربط وتسلسل ہے، ماہیتِ عمل پر غور کیجئے کہ عمل کس کو کہتے ہیں؟ ہر عمل اپنی ماہیت کے اعتبار سے

ماہیت عمل

ایک حرکت ہوتا ہے اور ہر حرکت محتاجِ محرک، ہم کسی حرکت کا تصور بغیر کسی محرک کے کر ہی نہیں سکتے، ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی حرکت بغیر کسی محرک کے پیدا ہی نہیں ہو سکتی، یہ بھی قانونِ فطرت ہے،

یہ سمجھ کر کہ ہر حرکت محتاجِ محرک ہوتی ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ محرکِ اعمالِ کائنات کون ہے؟

مادیین کے نزدیک مادہ ہے، کوئی حرکت ہو اور کسی شے میں پائی جاتی ہو، مادّی حرکت ہو اور مادّے ہی سے پیدا ہے، تمام نظامِ اعمالِ کائنات مادّی ہے، اور مادہ ہی سے وابستہ ہے،

ہم بھی اسے تسلیم کر لیتے مگر اس نظریہ کو تسلیم کرنے میں بعض امور مانع ہوتے ہیں، جن کو ہم بدفعاتِ ذیل بیان کرتے ہیں،

۱- نظریۂ مادّیت کی تاریخ اور خود ہمارے شواہد نے ہمیں اب تک جو کچھ مادّے کے متعلق بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مادہ ایک جسم وجسمانیت (شکل، جسامت اور مقدار) کے امتیازات کا نام ہے، مادہ ایک ایسی شے کو کہتے ہیں جو ہر حال کسی نہ کسی صورت میں پایا جائے[1]، کوئی نہ کوئی مقدار رکھتا ہو اور اس کے ساتھ جسامت بھی، یہی مادے کے وہ ذاتی امتیازات ہیں جو اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے، اور انھیں امتیازات کی وجہ سے ہم مادے کے وجود کے قائل ہیں اور اُسے کوئی شے کہتے ہیں،

۲- ظاہر ہے کہ ایسی شے کو محرکِ نظامِ کائنات نہیں سمجھا جا سکتا، اب اگر مادے میں کوئی حرکت بھی مان لیجائے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ مادے میں کس طرح کی حرکت پائی جاتی ہے، بلحاظ اغراض ومقاصد حرکت دو طرح

[1] کسی نہ کسی صورت میں پائے جانے کے معنی کسی نہ کسی صورت میں نظر آنے کے نہیں ہیں بلکہ عقلاً اس امر کے اثبات کے ہیں کہ مادہ بغیر صورت کے متحقق نہیں ہوتا،

کی ہو سکتی ہے، ایک تو وہ جس کی کوئی غرض وغایت نہ ہو، دوسری وہ جو غرض وغایت پر مبنی ہو، اگر مادے میں ایسی حرکت مانی جاتی ہے جس کو اغراض ومقاصد سے کوئی تعلق نہ ہو، تو بھی کام نہیں چلتا، کیوں؟ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۳- ہر حرکت کو دیکھکر جہاں ہمارے ذہن میں اس کے محرک کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے، وہاں یہ بھی سوال ہوتا ہے کہ اس حرکت کی غرض وغایت کیا ہے، یہ کس لئے ہے یا اس کا مقصد کیا ہے، یہ سوال کچھ ہمارا اختیاری نہیں نظامِ فطرت نے یہ سبق ہم کو دیا ہے، کائنات نے ہم کو بتا دیا ہے کہ کوئی منظم حرکت بے غرض وغایت نہیں ہوتی، کائنات کے اعمال میں ایک ربط ہے، ایک تسلسل ہے، نظام ہے، ترتیب جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں، اسلئے ایسے مرتب ومنظم سلسلۂ اعمال

اعمالِ کائنات تمامتر اغراض ومقاصد پر مبنی ہیں

کو ہم کسی طرح بے غرض وغایت، بے کار وعبث نہیں سمجھ سکتے، ہم کو ہر عمل کائنات اغراض و مقاصد کے ساتھ معلوم ہوتا ہے، یہ مان لینے کے بعد کہ اعمالِ کائنات تمامتر اغراض ومقاصد پر مبنی ہیں، سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر مادے میں ایسی ہی حرکت پائی جاتی ہے جس کو اغراض ومقاصد سے کوئی تعلق نہ ہو، تو اعمالِ کائنات جو تمامتر اغراض ومقاصد پر مبنی ہیں، کس طرح مادی سمجھے جا سکتے ہیں، مادہ کیونکر محرکِ اعمال مانا جا سکتا ہے

۴- اگر کہا جائے کہ مادے کی حرکت غرض وغایت پر مبنی ہوتی ہے تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ مادے میں حرکت اضطراری نہیں ہوتی، ارادی ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ حرکت ارادی ہی ہوتی ہے جو اغراض ومقاصد پر مبنی ہوتی ہے، اضطراری نہیں ہوتی،

۵- اس طرح مادے کو متحرک بالارادہ ماننا ہوگا مگر کسی شے کو متحرک بالارادہ ماننے سے پہلے یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ وہ شے ذی شعور بھی ہے، اس لئے کہ حرکت ارادی، بلحاظ غرض وغایت پر مبنی ہوتی ہے اور بلحاظ غرض وغایت بغیر شعور ہو نہیں سکتا، شعور ہی وہ شے ہے، جس سے تمام حرکات ارادی کی تحریک ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہے اگر مادے کو محرک اعمال کائنات مانتے ہیں تو ہم کو یہ بھی ماننا ہوگا کہ مادہ نہ صرف محرک، بلکہ ذی شعور محرک ہے، بلاشبہہ ایسا محرک جو ذی شعور ہو، محرکِ اعمالِ کائنات ہو سکتا ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ مادے کو ذی شعور مانا بھی جا سکتا ہے؟

ذات مادہ اس کی متحمل بھی ہے؟

مادے کا وہ امتیاز جس سے اس کے وجود کا یقین ہوتا ہے، جسمانیت ہی ہے، اس لئے اگر ہم مادے کو ذی شعور محرک سمجھتے ہین تو اس کے یہی معنی ہین کہ ہم جسمانیت ہی کو ذی شعور محرک سمجھتے ہین اور جب ہم جسمانیت کو بالفعل محرک سمجھتے ہین تو اس کے یہی معنی ہین کہ ہم یہ سمجھتے ہین کہ جسمانیت بالفعل کسی شے کو حرکت دے رہی ہے، یعنی کوئی محلِ وقوعِ حرکت یا متحرک شے ہے جس کو جسمانیت حرکت دے رہی ہے، مگر معلوم کرنا یہ ہے کہ اگر جسمانیت کو محرک بالفعل مانا جائے تو متحرک کس شے کو مانا جائے؟

کائنات اپنی مادی و جسمانی حیثیت سے ایک متحرک شے ہے

ہر حرکت جہان محتاجِ محرک ہوتی ہے، وہان اپنے محلِ وقوع کی بھی مقتضی ہوتی ہے، کائنات اپنی مادی و جسمانی حیثیت سے ایک محلِ حرکت و متحرک شے ہے اور جسمانیت کائنات کوئی جداگانہ جسمانیت نہین، وہی جسمانیت ہے جس سے مادہ و مادیت کا تعین و امتیاز ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ متحرک شے جس کو جسمانیت حرکت دے رہی ہے، خود جسمانیت ہی ہے، نظامِ اعمال کائنات مین علت و معلول ایک ہین یا محرک و متحرک کا کوئی امتیاز نہین، غور فرمایا آپ نے!

مادہ ذی شعور نہین مانا جا سکتا،

مگر یہ نظامِ علت و معلول کے قطعی خلاف ہے، کوئی علت تامہ[1]، نہ معلول ہو سکتی ہے، نہ کوئی معلول علتِ تامہ، اس اصول کے ماتحت، جسمانیت کو جس کے متحرک ہونے پر ہر تغیرِ کائنات شاہد ہے، محرک اعمال کائنات نہین سمجھا جا سکتا، اور جب جسمانیت کو محرک اعمالِ کائنات نہین سمجھا جا سکتا تو ایک قوت تحریک و تدبیر یعنی شعور کو کس طرح مادی مانا جا سکتا ہے، قوتِ تحریک کا تعلق تو کسی محرک ہی سے ہو سکتا ہے، نہ کسی متحرک سے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مادہ ایک متحرک شے ہے، نتیجہ یہ ہے کہ مادے کو ذی شعور نہین مانا جا سکتا،

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ مادے کو ذی شعور و محرک اعمال کائنات نہین مانا جا سکتا، ہم یہ کہتے ہین کہ کائنات تمامتر ایک منظم شے ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہین، اعمالِ کائنات مین ربط ہے، ترتیب ہے، تسلسل ہے، اغراض

[1] علت تامہ وہ علتِ فعل ہے، جو اپنے فعل مین کسی علت مقدم کی محتاج نہ ہو،

و مقاصد کا کامل لحاظ ہے، یہی شواہد ہین جن کی رہنمائی مین ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ

نظامِ اعمال کائنات مادی و مادے سے وابستہ نہیں،

نظامِ اعمالِ کائنات نہ مادی ہے، نہ مادی ہو سکتا ہے، محرک اعمالِ کائنات ایک ایسی شے، ایک ایسا محرک ہے جو ذی شعور ہے، جس کا امتیاز جسم و جسمانیت نہین، جو مقید وزن و مقدار، صورت و جسامت نہین، جسمانی، مادی نہین، ہم ایسے محرک کو نفس کہتے ہین،

نفس کائنات

نفس ہی، نفسِ اعمالِ کائنات ہے اور نفس ہی سے نظامِ اعمال کائنات وابستہ ہے، ترتیب و تنظیم، تحریک و تدبیر نفس ہی کے اعمال ہین، غرض و غایت، مدعا و مقصد کا سراغ، نفس ہی کے اعمال مین ملتا ہے،

جس طرح آپ کے تمام اعمال ارادی ایک مرکزیت عمل رکھتے ہین، اپنے اعمال ارادی کو دیکھئے کہ وہ تمامتر آپ کی ذات سے، آپ سے یا آپ کی انانیت سے وابستہ و متعلق ہین، آپ کی انانیت، آپ کے ہر ارادی عمل کا نقطۂ آغاز ہے اور آپ کا ہر ارادی عمل اسی نقطہ پر منتہی ہوتا ہے، اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح، تمام نظامِ اعمال کائنات، ایک انانیت کبریٰ سے وابستہ ہے اور وہی انانیت کبریٰ ہے جسے ہم نفس کائنات کہتے ہین،

کارگاہِ کائنات کی مثال ایک مرتب مشین کی سی ہے، پھر جس طرح ہر مشین اپنی منظم حرکات مین ایک ذی شعور محرک، ایک انجنیر یا ایک ڈرائیور کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح نظامِ کائنات بھی اپنے منظم اعمال مین ایک ذی شعور محرک یا ایک انجنیر کا محتاج ہے، وہی ذی شعور محرک یا انجنیر ہے جسے ہم نفسِ اعمالِ کائنات یا نفسِ کائنات کہتے ہین، حاصل بحث یہ ہے کہ محرکِ اعمال کائنات، نفس ہے نہ کہ مادہ، اعمالِ کائنات نفسی ہین نہ کہ مادی[1]،

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ تمام کائنات، متحرک اور نفس محرک ہے اور ہر حرکت جو کسی شے مین پائی جاتی ہو نفسی ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر خصوصیت سے حیوانات ہی کو زندہ کیون سمجھا جاتا ہے، اگر محل وقوعِ حرکت ہونے کی وجہ سے کوئی جسم زندہ سمجھا جا سکتا ہے تو اس مین حیوانات ہی کی تخصیص ہے، تمام کائنات محل وقوعِ حرکت و متحرک ہے اور ایک جسم واحد کی طرح منظم شے ہے، اس لئے تمام کائنات کو ایک حیوان یا ایک زندہ شے سمجھنا چاہئے؛

[1] فلسفۂ نفس مین ماہیتِ نفس پر ایک مستقل اور مبسوط باب ہے، طالبانِ تحقیق زحمتِ مطالعہ گوارا فرمائین،

حیات، عملِ نفس ہے

زندگی یا حیات، حقیقۃً عملِ نفس کا نام ہے، جس کی ابتدا، ابتدائے کائنات یا آغازِ آفرینش سے ہوتی ہے، جس طرح جنبش حرارت و روشنی یا حرکتِ صوت وصدا (آواز) پیدا ہوکر آگے کو بڑھتی، ترقی کرتی اور پھیلتی ہی چلی جاتی ہے، اسی طرح تموجِ حیات نے اپنے آغاز سے ایک نامحدود دائرۂ عمل مین اپنے اثر وکیف کو پھیلانا شروع کیا،

کائنات کی مثال، ایک شجرِ معرفتِ اعمالِ نفس کی ہے، جس طرح ایک درخت کی ابتدا بالکل سادہ سادہ ہوتی ہے، اور پھر اس مین ایک ارتقائی تنوع شروع ہوتا ہے، یہان تک کہ اس کی ابتدائی سادگی پیچ در پیچ ہوکر پھل پھول، شاخ وبرگ مین تبدیل ہوجاتی ہے، اسی طرح کائنات کی ابتدا ہوتی ہے کہ ابتدائے حیات کی عملی صورتین کائنات کے اعتبار سے بالکل سادہ سادہ تھے یعنی کائنات مین جسم وجسامت کی صورتون، بسائط کے علاوہ کچھ نہ پایا جاتا تھا، پھر اس سادگی مین ایک ارتقائی تنوع شروع ہوا یہانتک کہ کائنات کی ابتدائی سادگی پیچ در پیچ ہوکر اس قدر متنوع ہوگی کہ آج اس کا تصور بھی ناممکن ہے، کائنات کی بوقلمونیون اور انواعِ مخلوق کا احاطہ کون کرسکتا ہے،

جزئیاتِ ارتقائے عملِ نفس ہمارے پیشِ نظر نہ سہی، تمام مدارجِ حیات کا تفصیلی علم جن سے یہ جنسِ عمل گذر کر ہم تک پہنچی ہے، ہمین نہ سہی مگر اس مین کوئی شک نہین کہ عملِ نفس مین ارتقا ہوا ہے، حیات نے اپنے مدارج مین ترقی کی ہے، اس زمین پر جو مخلوق پائی جاتی ہے اس کی درجہ بندی نے یہ امر متیقن کردیا ہے کہ انواع مین نہ صرف جسمانی اعتبار سے ارتقا ہوا ہے بلکہ عملی اعتبار سے بھی ارتقا ہوا ہے، سمجھنے کے لئے موالیدِ ثلاثہ[1] کو پیشِ نظر رکھئے اور دیکھئے کہ جمادی زندگی کیا ہے اور نباتی وحیوانی کیا، جمادی زندگی، اگر صرف جذبِ عناصر ہے تو نباتی زندگی، جذبِ عناصر (تغذیہ) اور نشو ونما اور حیوانی زندگی، جذبِ عناصر، نشو ونما اور حس وحرکت، دیکھئے اعمالِ نفس مین کس طرح ایک ارتقائی تنوع پیدا ہوتا چلا گیا ہے، غرضکہ نظریۂ ارتقائے حیات کوئی خیالی شے نہین ایک حقیقت ہے جس کی تائید کائناتِ فطرت کی تمام تدریجی ترقیون سے ہوتی ہے، بلاشبہہ مدارجِ حیات مین

مدارجِ حیات

اگر حیاتِ انسانی کو، حیاتِ موجودہ یا حیات کا وہ ترقی یافتہ درجہ مان لیا جائے جہانتک حیات اب تک

[1] موالیدِ ثلاثہ، جماد ونبات وحیوان کو کہتے ہین،

پہنچی ہے تو اس حیاتِ موجودہ یا حیاتِ انسانی کے مقابلے مین، حیاتِ جمادی ونباتی وحیوانی کا شمار حیاتِ ماقبل مین ہوگا، اور حیاتِ موجودہ یا حیاتِ انسانی کی آیندہ ترقیون کا، حیاتِ مابعد مین، حیاتِ ماقبل، حیاتِ موجودہ اور حیاتِ مابعد کی یہ سہ گانہ تقسیم وتفریق، حیاتِ انسانی کے اعتبار سے ہوگی ورنہ حیات فی نفسہ ایک ایسی ترقی کرنے والی شے ہے، جس کے مدارج ومراحل کی کوئی انتہا نہین، جس کے آغاز وانجام کی کوئی تفصیل نہین، ہر مرحلۂ حیات، اپنے مرحلۂ مابعد کے مقابلے مین، ماقبل ہے اور ماقبل کے مقابلہ مین مابعد،

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حیات فی نفسہ عمل وحرکتِ نفس کا نام ہے، جس کا اظہار اپنے محلِ وقوع یعنی جسمِ متحرک سے ہوتا ہے، اگر یہ دیکھا جائے تو یہ تمام کائنات اور اس کا ہر جزو بالعرض ذی حیات ہے، اس لئے کہ محلِ حرکتِ نفس ہے، یہ صحیح ہے، مگر اس حیات کے مدارج ومراحل بھی ہین جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہین، ہر شے اس کائنات کی زندہ تو ہے مگر ہر شے کی زندگی یکسان نہین،

جماد ونبات وحیوان کی عملی زندگی کا فرق ظاہر ہے، جمادات مین، کوئی حرکتِ نشو ونما نہین ہوتی، صرف حرکت جذبِ عناصر ہوتی ہے، نباتات مین، حرکتِ جذبِ عناصر بھی ہوتی ہے اور حرکتِ نشو ونما بھی، حیوانات مین، حرکت جذبِ عناصر اور نشو ونما کے علاوہ، حس وحرکتِ ارادی بھی ہوتی ہے، حس وحرکتِ ارادی ہی سے اعمالِ حیات نمایان ہونا شروع ہوتے ہین، جماد ونبات اور کائناتِ ارض وسما کی دوسری چیزون مین اعمالِ حیات غیر نمایان اور غیر محسوس ہوتے ہین، برخلاف اُن کے ہم حیوانات کو چلتا پھرتا، تلاشِ غذا کرتا، بچون کو پرورش کرتا یعنی متحرک بالارادہ پاتے ہین، اس لئے ہم حیوانات ہی کو زندہ سمجھتے ہین ورنہ حقیقتاً کوئی شے کائنات مین مردہ نہین اور کوئی شے کیونکر مردہ ہو کہ جب تمام کائنات بحیثیتِ مجموعی ایک زندہ شے ہے،

حیات وماہیتِ حیات کے تحت مین اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱- حیات کی یہ تعریف صحیح نہین ہے کہ حیات صرف قوتِ حس وحرکت ہی ہے، اور وہ صرف اجسامِ ذی حس وحرکت (حیوانات) ہی مین پائی جاتی ہے،

۲- حیات ایک غیر مادی شے، عمل و حرکت نفس کا نام ہے اس لئے تمام کائنات جو ایک متحرک شے ہے بالعموم ذی حیات و حیوان ہے،

۳- مگر حیات کی یہ ہمہ گیری کچھ امتیازات بھی رکھتی ہے، اگرچہ ہر شے اس کائنات کی زندہ تو ہے مگر ہر شے کی زندگی یکسان نہین،

۴- اور اس کا سبب یہ ہے کہ حیات ایک ایسی غیر محدود شے ہے جس کے بے شمار مدارج و مراحل ہین اور ہر درجہ مین اس کا حکم جداگانہ ہے،

مگر اس نظریۂ حیات پر کہ حیات، ایک غیر مادی شے ہے، مادیین کے چند اعتراض ہین جنکو زبانِ مادیت ہی سے سنئے، پہلے ہم اُن کو جمع کرین گے پھر اُن کی تحقیق کی طرف متوجہ ہونگے، مدعا اس نقد و نظر سے یہ ہے کہ تصویر کے دونون رخ، روشن و تاریک، آپ کے سامنے آجائین تاکہ آپ مقابلۃً فیصلہ کر سکین کہ حیات کے نظریۂ مادیت و غیر مادیت مین سے کونسا نظریہ زیادہ قابل قبول ہے،

وہ اعتراض یہ ہین:-

ا- کسی نظام جسمانیت مین جو حرکت پائی جاتی ہے کیون تنظیم جسمانیت کو اس کا محرک سمجھا جائے اس لئے کہ جب وہ نظام نہین رہتا تو وہ حرکت بھی نہین رہتی جو حالتِ تنظیم مین پائی جاتی تھی، مثلاً ایک حیوان کا شیرازۂ جسمانیت جب بکھر جاتا ہے تو اس مین وہ حرکت بھی باقی نہین جس کو حس و حرکتِ حیوانی کہتے ہین؟

ب- ہر شے کا جسم عناصر سے مرکب ہے اور ترکیب عنصری سے نہ صرف جسم مرکب ہی پیدا ہوتا ہے بلکہ جسم مرکب مین باقتضائے ترکیب ایک قوت بھی پیدا ہوتی ہے، جو محرک ہوتی ہے ان اعمال کی جن کا صدور کسی جسم سے ہوتا ہے نفس کوئی غیر مادی شے نہین وہی قوتِ محرکہ ہے جو امتزاجِ عناصر سے پیدا ہوتی ہے،

ج- جسم مین جو کچھ پایا جائیگا جسمانی ہوگا اس لئے محرک جسم کو جسکا تعلق جسم سے ہے غیر جسمانی نہین مانا جاسکتا،

اب ہم ان اعتراضات کی تحقیق کیطرف متوجہ ہوتے ہین اور ایک ترتیب وار نظر ڈالتے ہین،

پہلا اعتراض ہے کہ نظام جسمانی ہی کو کیون نہ محرک ان اعمال کا سمجھا جائے جو کسی جسم مین بحالت نظام پائے جاتے ہین،

اوراق گذشتہ مین آپ یہ معلوم کر چکے ہین کہ تمام نظام کائنات کی حیثیت ایک محل وقوع حرکت یا متحرک شے کی ہے، اور یہ بھی معلوم کر چکے ہین کہ کوئی متحرک شے ان حرکات کی جو اس مین پائی جاتی ہون، خود محرک نہین ہو سکتی کوئی معلول کسی فعل کی علتِ تامہ نہین ہو سکتا، اس لئے یہ شبہہ بداہتہً باطل ہوگا، کہ ایک متحرک شے ممکن ہو کہ خود ہی اپنے افعال کی محرک ہو، اب رہا یہ شبہہ کہ جب کوئی نظامِ جسمانی نہین رہتا تو وہ حرکت بھی باقی نہین رہتی جو حالتِ تنظیم مین پائی جاتی تھی، اس کی ایک مثال فرض کیجئے کہ ایک برقی پنکھا ہے جو ایک نظامِ جسمانی رکھتا ہے، اور قوتِ برقی سے چلتا ہے، اب اگر اس پنکھے کے نظام مین کوئی خرابی واقع ہو جاتی ہے یا وہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بعد وہ گھوم نہین سکتا تو کیا یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ پنکھے کا گھومنا خود اس کے نظام ہی کا نتیجہ ہو اور قوتِ محرکۂ برقی کا کوئی جداگانہ وجود نہ ہو،

یہی حال جسم و جسمانیت کے نظام کا ہے کہ جب تک ان کا نظام قائم رہتا ہے ان مین اس حرکت کے قبول کرنے کی استعداد رہتی ہے جس کے لئے ان کا نظام موزون ہوتا ہے، اور جب ان کا نظام باقی نہین رہتا تو ان مین وہ حرکت بھی نہین رہتی جو حالتِ تنظیم مین پائی جاتی تھی، مگر کسی حرکت کا نہ پایا جانا اس امر کا مقتضی نہین کہ خود نظام متحرک کو محرک سمجھ لیا جائے،

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ترکیب عناصر سے ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے وہی محرک ان اعمال کی ہوتی ہے جو کسی جسم مین پائے جاتے ہین، مثلاً انسان مین جو اعمال ارادی تفکر و تعقل وغیرہ پائے جاتے ہین، ان کی محرک وہی قوت ہے جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتی ہے نفس کا جداگانہ وجود نہین،

انسان کے تمام ارادی اعمال کا اغراض و مقاصد پر مبنی ہونا محتاج ثبوت، آپ جو کچھ کرتے ہین اسکی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ بلحاظ اغراض و مقاصد بغیر شعور ہو نہین سکتا، یہ مان لینے کے بعد کہ اغراض و مقاصد کا لحاظ بغیر شعور ہو نہین سکتا غور طلب یہ ہے کہ آیا وہ قوتِ محرکہ جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتی ہے ذی شعور ہے؟

یہ آپ معلوم کر چکے کہ خود مادہ جو اصل عناصر ہے نہ ذی شعور ہے نہ ذی شعور ہو سکتا ہے، پھر عناصر مادی کی کسی ترکیب سے بھی کوئی ایسی قوت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے جو ذی شعور ہو؟

ہم اس امر کا انکار نہین کرتے کہ عناصر کے امتزاج سے کوئی قوت نہین پیدا ہو سکتی، ہم صرف یہ کہتے ہین کہ کوئی قوت جو جسم و جسمانیت کی کسی ترکیب سے پیدا ہوگی وہ بھی نظام متحرک کا ایک جزو ہوگی، ایسی قوت نہ ہوگی جو اس نظام کو اس کے انجر سے مستغنی کر دے، غور فرمایئے! نتیجہ یہ نکلا کہ نفس مادی نہین بلکہ مادہ اور تمام مادی قوتون سے، جسم اور تمام جسمانی امتیازات سے کام لینے والا ہے،

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جو شے جسم سے متعلق ہوگی جسمانی ہوگی اس لئے نفس کو جو محرک جسم و جسمانیات ہے، کیون نہ جسمانی سمجھا جائے،

دراصل یہ کوئی اعتراض نہین بلکہ ناواقفیت ہے جسم یا مادے کی حقیقت سے، ازروئے تحقیق[1] جسم یا مادہ کوئی مستقل وجود رکھنے والی شے نہین بلکہ ایک مجموعہ ہے اعراض کا اور اعراض کے متعلق یہ طے شدہ ہے کہ وہ اپنے پائے جانے مین کسی جوہر کے محتاج ہوتے ہین، اور وہ جوہر جس کے ساتھ یہ مجموعۂ اعراض پایا جاتا ہے خود نفس ہی ہے، اسلئے نفس کے متعلق یہ سوال ہی نہین ہو سکتا کہ کیون نفس کو جسمانی مادی نہ سمجھا اس لئے کہ وہ جسم سے تعلق رکھتا ہے، جب یہ معلوم ہو چکا کہ جسم کا کوئی مستقل وجداگانہ وجود ہی نہین تو نفس کو کیونکر جسمانی سمجھا جا سکتا ہے، البتہ مادہ کے متعلق یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مادے کو کیون نہ غیر مادی سمجھا جائے اس لئے کہ اس کی حقیقت اعراض نفس ہے؟

غور فرمایا آپ نے! یہ ہے مادیت اور اس کا نقطۂ نظر حیات کے متعلق،

مقصدِ حیات[2]

بالیقین، زندگی نفس ہی کا عمل ہے، حیات نفس ہی سے وابستہ ہے، یہ تو تسلیم ہے، لیکن اس زندگی کا جو

[1] فلسفۂ نفس مین یہ بحث ہو چکی ہے اس کا بیان دوبارہ اعادہ تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے، [2] اس بحث مین حیات سے مراد مطلق حیات ہے کسی خاص نوع کی حیات مراد نہین،

ہر شے مین پائی جاتی ہے مقصدِ فطری کیا ہے، ان اعمالِ نفس کی علت غائی کیا ہے، سیارے کیون گردش مین ہین، ہوا کیون چلتی ہے، پانی کیون برستا ہے، فضائین کیون بدلتی ہین، درختون مین نشو و نما اور حیوانون مین حس و حرکت کیون ہے، غرضکہ کائنات مین جو کچھ ہو رہا ہے وہ کس لئے ہو رہا ہے، اور جو کچھ ہوا اس کا مقصد کیا تھا؟

اس کارگاہِ عالم کی مثال ایک مشین کی سی ہو، جس کے بے شمار اجزا ہین اور ہر جزو کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے، اگر جس طرح کسی مشین کا کوئی پرزہ صرف اسی کام کے لئے نہین جس کے لئے اس کا نظام موزون ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے عمل سے اس مقصد انتہائی کے حصول مین معاون ہوتا ہے، جس کے لئے کوئی مشین بنائی گئی ہو اسی طرح اگرچہ کائنات کا ہر جزو (ہر شے) کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتا ہے مگر کوئی کام مقصود بالذات نہین بلکہ اعانت ہے اس مقصود انتہائی کے حصول مین جو تمام اعمال کا نتیجہ اور کارگاہِ عالم کے تمام کامون کا حاصل ہے،

لیکن وہ حاصل کیا ہے؟ کسی نظام کے متحدہ اعمال کا نتیجہ وہی ہے جو اس کے متحدہ اعمال سے برآمد ہو، معلوم کرین کہ اس نظام کے متحدہ اعمال کا نتیجہ کیا ہے؟

ان تمام مدارج حیات پر جو ہمارے پیش نظر ہین غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے تمام اعمال کا حاصل، جسم و جسمانیات کی سطح کو اس حد تک بلند کرنا ہے کہ جسمانیات سے غیر جسمانیات کے آثار نمایان ہونے لگین، مادیت، غیر مادیت مین تبدیل ہو جائے، ظلمت روشنی سے بدل جائے اور حجابِ جہل سے خورشیدِ علم و ادراک نمایان ہو جائے،

جسم و جسمانیت، مادہ و مادیت مین انسانیت کا ظہور تاریکیون مین فہم و ادراک کی روشنی، اس مقصد کے حصول کی روشن مثال ہے، وہی فضائے جسم و جسمانیت، جس پر ازمنۂ قدیمہ مین بیرون اعداد و شمار زمانہ تک ظلمت و تاریکی کی گھٹائین چھاتی رہین، آج صورتِ انسانی مین جلوہ طرازِ علم و حکمت ہے، وہی جسم و مادہ و مادیت جو عرصۂ نامحدود تک بے حسی کا مجسمہ رہا آج اپنے آغوش مین احساس و شعور کی دنیا لئے ہوئے ہے، وہی دنیائے آب و گل جسے کبھی اپنا احساس بھی نہ تھا، آج ناموسِ فطرت پر عود کر رہی ہے، وہی عناصر جن کے ذرات

فضائے جہل کی نامتناہی وسعتوں میں پریشان تھے، آج شیرازہ سازِ کائناتِ دانائی ہیں، وہی جمادیت جو نا آشنائے نشو و نما تھی وہی نباتیت جو محرومِ حس و حرکت تھی، وہی حیوانیت جو ناواقفِ علم و ادراک تھی، آج پیکرِ انسانی میں نشو و نما و حس و حرکت، علم و ادراک کے مقاصدِ اعلیٰ، حیات کی تمام تدریجی ترقیوں اور موجودات کے تمام ارتقائی امتیازات کو پائے ہوئے ہے،

اعمالِ کائنات کی علتِ غائی، مطلق حیات کا مقصدِ فطری، خود مدارجِ حیات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانیت ہی ہے،

سیرۃ النبیؐ

جلد چہارم

منصبِ نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغِ نبویؐ کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام، اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۰۰ صفحے، قیمت بہ اختلاف کاغذ ہے ہے سہ، تقطیع کلان،

خطباتِ مدراس

مولانا نے ۱۹۲۶ء میں مدراس میں سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے (لکچرز) دیئے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے، اور مسلمانوں نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ لکچروں میں نہایت موثر الفاظ میں اور تاریخی دلائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہدیۃً تقسیم کئے جاویں، اور عربی مدرسوں اور مکتبوں اور انجمنوں میں ان کو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۵۰ صفحے، طبع دوم، قیمت عہ

"منیجر"

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

(۲)

ازجناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی،

سیاست مدن کا نقشہ آپ دیکھ چکے، اب ذرا اندرونِ خانہ بھی جھانکتے جائیے، کیونکہ اجتماعی زندگی میں تدبیر منزل بھی ترقی کا ایک خاصا معیار ہے،

لارڈ اسنل نے ہاؤس آف لارڈز میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ

"نفقہ اہل وعیال کی عدم ادائی کی علت میں، انگلستان میں ہر سال اوسطاً دو لاکھ افراد ماخوذ ہو کر عدالت میں آتے ہیں اور ۲ ہزار جیل بھیجے جاتے ہیں"

یہ ہے حسنِ معاشرت اور نظامِ معیشت،

قدامت پسند مشرق کو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں شادی ان دیکھے، بے پرکھے آنکھ میچ کر کر دی جاتی ہے، اس لئے اس کے نتائج خوشگوار نہیں نکلتے، اگرچہ یہ "طریق انتخاب" بھی اسلامی نہیں ہے، لیکن جس طریق افراط کو مغرب نے اختیار کیا ہے، اور وہاں جو شادیاں ٹھونک بجا کر کیجاتی ہیں، کیا واقعی خوشگوار نتائج پیدا کر رہی ہیں، اس کا جواب وہاں کے مقدمات طلاق سے مانگئے، اور جہاں طلاق کی بھی اجازت نہیں، یا اس کے حصول میں دقتیں پیش آتی ہیں وہاں (احکام نفقہ) کے قانون شکنجہ میں جکڑے ہوئے انسانوں کی مشکلات سے اندازہ لگائیے، وہاں یہ حالت ہے کہ حسن و عشق کی داستانِ رنگین ابھی اپنا پہلا ڈراپ سین بھی ختم نہیں ہونے دیتی کہ اندھے کیوپڈ کے تیر دن کی تلخ کامیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور دوسرے ہی دن "زرِ مفارقت" کی ڈگری کی درخواست پڑ جاتی ہے، چونکہ یہ طوقِ تہذیب قانونی طور پر آسانی سے گلے سے نہیں اتارا جا سکتا اس لئے اس کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں لڑائی جاتی ہیں، چنانچہ اے جی، گارڈنر جو اس وقت برطانیہ کے بہترین ارباب

صحافت مین سے ہین، جان بل لندن کی ۱۱ر فروری ۱۹۳۳ء کی اشاعت مین لکھتے ہین، کہ

"برطانیہ مین ایک بیاہے ہوے میان بیوی ہین، کچھ روز کے بعد ایک کا دل دوسرے سے ہٹ جاتا ہے، اور دونون آزاد ہوجانا چاہتے ہین، لیکن قانون کی نظر مین یہ عدم موافقت بنائے طلاق نہین ہوسکتی، طلاق جب ہی واقع ہوسکتی ہے جب بیوی کی بے عصمتی یا شوہر کا ظلم یا بدچلنی ثابت ہوجائے، قانون سے مجبور ہوکر اب "ثبوت بدچلنی" کی تلاش ہوتی ہے، شوہر ہوٹل مین جاکر کسی بیگانی عورت سے شب باش ہوتا ہے، اور اس کے گواہ پیدا کئے جاتے ہین، جب جاکر عدالت کہین اس کی گلوخلاصی کا حکم دیتی ہے، لیکن اگر اس اثنا مین سرکاری وکیل کو پتہ چل گیا کہ ساری کاروائی جعلی اور مصنوعی تھی اور واقعی بدچلنی نہین ہوئی بلکہ محض حصول طلاق کے لئے "بدچلنی دکھائی گئی" ہے، تو حکم طلاق منسوخ ہوجاتا ہے، اور پھر وہ میان بیوی قید نکاح مین بیزار و برگشتہ جکڑے کے جکڑے رہ جاتے ہین، یہ کوئی گڑھا ہوا قصہ نہین بلکہ صدہا واقعات اسی طرح کے برابر ہوتے رہتے ہین"

اسی طرح محض بیوی کے ہاتھون تنگ آکر خودکشی کرلینے کے واقعات کی خبرین بھی اخبارات مین گشت کرتی رہتی ہین، جو فطرت کے خلاف جنگ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے، تہذیب مغرب کا سب سے بڑا معرکۃ الآرا کارنامہ عورتون کو پردہ سے آزاد کرانا ہے، لیکن اس مسلک مین بھی ان کی وہی افراطی حالت جلوہ فرما ہوئی، پردہ اتار کر پھینکا تو اس زور سے کہ ساتھ ہی ستر و حیا کے لباس بھی الجھے ہوئے ایک طرف گر پڑے، جزائر انڈمان کے وحشیون کے متعلق مغربی محققین بڑی حقارت سے لکھتے ہین کہ

"وہ جسم کے پوشیدہ مقامات کو کسی درخت کے پتے یا کپڑے کی دھجی سے ڈھانک لیتے ہین"

لیکن دیار تہذیب مین برہنہ ناچ، برہنہ سوسائیٹیان، برہنہ غسل، برہنہ آفتابی غسل، غرضیکہ ننگون کے کلبون مین، سمندرون کے کنارے آفتابی شعاعون مین مادرزاد برہنہ جلوس حسن کی نمائش، تہذیب و تمدن کے انتہائی دور عروج کی تاریخ جریدۂ عالم پر ثبت کر رہی ہین، اور پھر بڑے بڑے معزز صحائف مین بڑے بڑے شاندار عنوانون سے اس نظارہ موز

منظر کی تصاویر شائع ہوتی ہین،

تہذیب جدید کی ایک نئی پیداوار "مقابلۂ حسن" بھی ہے، اب ذرا اس کے خوشگوار انجام کا بھی حال سن لیجئے،

"مس بارکلے ۱۹۲۶ء مین آسٹریلیا مین ملکۂ حسن قرار پائین، ۱۹۲۹ء مین زہر کھا کر خودکشی کرلی، مس ڈیوس کا ستارۂ حسن امریکہ مین چمکا، چند روز کے بعد دریا مین کود پڑین، اور یہ لکھکر چھوڑ گئین، کہ اب جینے کی ہوس نہین، کنگسٹن کے ایک مشہور درزی خانہ مین ایک میم صاحبہ ملازم تھین، تین سو پونڈ کی قیمتی پوشاک کی چوری کی علت مین گرفتار ہوئین، معلوم ہوا چھ سال قبل یہ ملکۂ حسن رہ چکی ہین، جس زمانہ مین مس پیرس، پیرس مین وارد ہوئین، عین اسی ہفتہ ایک سابق ملکۂ حسن نے زہر کھا کر مالدیویا مین خودکشی کرلی، وارسا کے مقابلۂ حسن مین وائرز بکس جب منتخب نہ ہوسکین تو بندوق سے اپنے آپکو ہلاک کرلیا"

یہ واقعات افسانے نہین ہین بلکہ ایک انگریز خاتون مارگریٹ گرے نے ڈیلی اکسپرس مورخہ ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۲ء مین شائع کئے ہین، جو خاتمے پر لکھتی ہین کہ

"امید ہے اس سے میری ہی لڑکیان نہین بلکہ ہر ماں کی لڑکیان سبق لینگی"

یورپ کو بڑا فخر یہ تھا کہ اس نے صنف نازک کو مساوی نہین بلکہ مردون سے بھی زیادہ حقوق دے رکھے ہین جسکی وجہ سے عورتین بلا محابا اپنی فطرتی نزاکت اور جنسی نظافت کو چھوڑ چھاڑ کر مردانہ وار ان شعبہ ہائے حیات مین داخل ہوئین، جو مردون کے لئے مخصوص تھے، اور ہمارے ہان کے مقتدی حضرات بھی ہماری اقتصادی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی بتاتے تھے کہ ہماری معاشی زندگی کا آدھا نصف حصہ (The Better half) عضو معطل ہوا ہے، لیکن یورپ نے تجربہ کے بعد جو نتائج حاصل کئے ہین وہ ہمارے سامنے ہین،

ڈیلی اکسپریس اپنی ۲ر جون کی اشاعت مین لکھتا ہے :-

"ہٹلر (وزیر جرمنی) نے ایک گردش قلم [illegible] نا سے ان [illegible] سام یعنی گھر گرہستی کی طرف واپس کردیا ہے، اس نے فرمان جاری کردیا ہے کہ یکم اگست تک کم از کم ۱½ لاکھ عورتین کارخانون کی ملازمتین چھوڑ کر

گھرون کو واپس چلی جائے، خواہ بیوی کی حیثیت سے، خواہ خادمہ کی حیثیت سے"

یہی اخبار اپنی ۱۸ جون کی اشاعت مین رقمطراز ہے کہ

"امریکہ کی عورتین اس وقت ایک بڑے نازک دور سے گذر رہی ہین، جنگ کے زمانہ مین جن عورتون نے کارخانون مین کام کرنا شروع کر دیا تھا وہ اب مجبور کیجارہی ہین کہ بے روزگار مردون کے لئے جگہ خالی کرین، کفایت عامہ کی لہر نے ملک کے بہت سے گھرانون کو ویران کیا، اور اس کے بعد اب ہر طرف سے یہ نعرہ لگنا شروع ہو گیا ہے، کہ عورت کی جگہ اسکا گھر ہے"

اسی طرح برنارڈشا سے اگلے دنون امریکہ کی سیاحت کے دوران مین اخبارون کے نمایندون نے جب دریافت کیا کہ عورتون کو حق رائے دہندگی ملنا چاہئے تو اس نے جواب دیا کہ "ہرگز نہین، انگلستان مین عورتون نے الیکشن کو ایک مذاق بنا دیا ہے"

یورپ اب اپنی اس حماقت کو محسوس کر چکا ہے جو اس نے عورتون کو حدود فطرت سے آگے بڑھا دینے مین کی اور اب اسے واپس بلانا چاہتا ہے، لیکن اسے جناب کنفیوشس کا یہ قول یاد نہین کہ "عورت کا جو قدم ایک دفعہ آگے بڑھ جائے، اسے واپس لانا تو شاید قدرت کے بھی بس مین نہین رہتا"

اکثر یہ کہا جاتا ہے، یورپ صنف نازک کا جو احترام کرتا ہے، اور ان کے لئے ہمدردون کے جو جذبات مردون کے دل مین موجود ہین، مشرق اس کا خواب بھی نہین دیکھ سکتا، اور ان کا یہ احترام اور ہمدردی محض عورت کے عورت ہونے کی حیثیت سے ہے، فی الواقعہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا تھا، لیکن مہذب انسانون کی اس ملمع کاری کا راز بھی انہی کی ایک محترمہ نے کھول کے رکھ دیا، واقعہ دلچسپ ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیے،

انگلستان کی ایک ۱۶ سالہ شوخ نوجوان حسینہ کو ایک مذاق سوجھا، اور اخبارات مین فرضی نام سے اطلاع شائع کرائی،

"میری عمر دہ سال کی ہے، مین ہمیشہ بیمار رہتی ہون، کیا کوئی خدا کا بندہ رحمدل ڈاکٹر سے روشناس

کرا سکتا ہے جو میری بیماری کا علاج کر سکے"

اس اعلان کے جواب مین صرف ۱۰ خطوط موصول ہوئے جن مین زیادہ تر خطوط گرجون کے پادریون اور شفاخانہ کی بوڑھی نرسون کے تھے، اس کے چند روز بعد اسی عربدہ جو نے اخبارات مین یہ اعلان شائع کرایا،

"مین ایک نوجوان خوشجمال لڑکی ہون، اور تمام دنیا کا سفر کرنا چاہتی ہون، مجھے ایک ایسے رفیق سفر کی ضرورت ہے جو میرا ہم عمر ہو، لڑکا ہو یا لڑکی اس کی کوئی قید نہین، لیکن خوش جمال اور خوش مذاق ہو"

بس اب کیا تھا، صنف نازک کی مصیبت کے وقت کام آنے کے لئے مہذب انسانون کے سینہ مین ہمدردی کے جذبات موجزن ہو گئے، ڈاک کا ایسا تانتا بندھا کہ ایک ہفتہ کے اندر گیارہ ہزار، دو سو اکتیس خطوط کا ڈھیر لگ گیا،

سرِ من فدائے راہے کہ نگار خواہی آمد

ان خطوط کے ڈھیر مین صرف ۳۱۷ خطوط عورتون کے تھے، باقی قریب گیارہ ہزار خطوط نوجوانون کے جنمین سے اکثر نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ

"آپ تنہا سفر فرمائین گی یا والدین بھی ہمراہ ہونگے؟ میری رفاقت کی شرط یہ ہے کہ والدین ہمراہ نہون"

یہ ہے اس ہمدردی نسوان کا نمونہ جسے یورپین اخلاق کا طغرائے امتیاز کہا جاتا ہے،

جب گھر مین یہ حالت ہے تو باہر کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، چنانچہ تہذیب جدید کا یہ اثر صرف خاک پاک یورپ تک ہی محدود نہین، بلکہ جہان جہان بھی ان مہذب انسانون کے قدم میمنت لزوم گئے ہین، خیر سے بداخلاقی کے شجر خبیثہ کا تخم ساتھ ساتھ بوتے چلے گئے ہین،

ڈاکٹر ایڈورڈ ویسٹر مارک اپنی مشہور کتاب "بنی نوع انسان کے نکاح کی تاریخ" مین ضمناً لکھتے ہین کہ

"ایک قاعدہ عام جسکا کوئی استثنا نہین ہے یہ ہے کہ اگر کالے آدمیون (آسٹریلیا کے اصلی باشندون) کا ایک گروہ سفید آدمیون (یورپین) کی آبادی سے دور پایا جاتا ہے تو مؤخر الذکر مین، جو زیادہ تر فاجر ہوتے ہین، وہ ان دیسیون سے دوستی پیدا کر لیتے ہین جو محض بداخلاقی کی غرض سے ہوتی ہے۔۔۔

قبل اس کے کہ بہیت ناک بداخلاقیان ان مین عام ہون مین اُن دیسیون سے ملا ہون اور ان مین رہ چکا ہون اور مین بلا خوف تردید کہتا ہون کہ ان مین جو برائیان ہین وہ تمامتر سفید آدمیون کی بداخلاقیون اور ان کی شرابخواریون کا نتیجہ ہے، مسٹر کر کا قول ہے کہ سفید آدمیون کے داخل ہونے سے پہلے علاقہ وکٹوریہ کے اصل باشندے عام طور پر اپنی بیویون اور بیٹیون کی عفت و عصمت کو قائم رکھتے تھے، مگر پھر نہین رکھ سکے :

گویا جسے جہالت و وحشت، بہیمیت و بربریت کہا جاتا ہے' اس مین تو پھر اخلاقی حالت اچھی تھی، لیکن اس ظلمت کدہ مین جب تہذیب جدید کی بجلی پہنچی تو اور بھی اندھیر ہوگیا، معلوم نہین وہ اخلاقی نقطۂ نظر سے اپنی "وحشت و بربریت" مین اچھے تھے، یا اس تہذیب جدید کی روشنی سے منور ہو کر!

جنون کا نام خرد رکھدیا خرد کا جنون

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جس تہذیب و سوسائٹی کا دھندلا سا خاکہ یہ ہو اس مین جو سکون و طمانیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے آج میدانون پر، پہاڑون پر، خشکی پر، پانی پر، تحت الثری سے اوج ثریا تک، انسانون کو اقتدار حاصل ہے، لیکن باین ہمہ تسخیر و تجبیر اور باین ہمہ غلبہ و استیلاء انسانی دلون کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے، کسی ایک دل مین بھی اطمینان و امن کی رحمت نظر نہین آئے گی، کشاکش حیات اس قدر صبر آزما ہو چکی ہے کہ انسانون کی اکثریت اس عذاب الیم سے موت کو بہتر سمجھتی ہے، انفرادی حالت دیکھنی ہو تو اپنے قلب کا جائزہ لیجئے اور گنئے کہ چوبیس گھنٹون مین کتنے ثانیے طمانیت کے گذرتے ہین، اجتماعی حالت کا اندازہ لگانا ہو تو یورپ اور امریکہ کے ارباب بست و کشاد کی سراسیمگی کو توجہ مین لائیے، کہین Peace Conferences ہو رہی ہین، کہین امن سبھائین بن رہی ہین لیکن

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہین ملتی،

بجلی کے پنکھے، پرون کے تکیے، حریر و اطلس کے گدیلے، فرش مخملین، کمخواب کے پردے، مزین [illegible]

مرصع چھت، پائین باغ، اور باغ مین سرسبز و شاداب پودے، خوشنما پھول، آب جو اور اس مین فوارے، چاندی سونے کے برتن، غلمان مخلدون، نازک اندام حسینان برق وش، لذیذ و نفیس کھانے، موٹر، ریل، ہوائی جہاز، سینما، تھیٹر، رقص گاہین، ٹیلی فون، لاسلکی، غرضیکہ تفریح و تفنن، سہولیت و عیش پسندی کے حسین و جمیل اسباب میسر ہین، ضروریات زندگی کے اعلی ترین معیار کے وسائل موجود ہین، لیکن اس گرد و پیش، اس ماحول، اس جنت ارضی مین پھرنے والا انسان، آہ بدنصیب انسان، اپنے دل کی انتہائی گہرائیون پر جب نگاہ ڈالتا ہے تو اسے اس مین اطمینان کا اتنا شائبہ بھی نظر نہین آتا جو ایک مزدور کو مزدوری مل جانے کے وقت نصیب ہوتا ہے' اس عالمگیر فقدان اطمینان و امنیت کو ڈھونڈھنے کے لئے دنیا کے بہترین دماغ جمع ہوتے ہین، چھپا سٹھ اقوام عالم کے نمایندے سر جوڑ کر بیٹھتے ہین، دنیا کی نگاہین ایک مداوا کی تلاش مین ان کی طرف اٹھی ہوتی ہین مگر خبر آتی ہے

نشستند و گفتند و برخاستند

کھوئے ہوئے اطمینان، لٹی ہوئی دولت اور غارت شدہ امن و سکون کی واپسی کی کوئی صورت نظر نہین آتی

اس مین شبہہ نہین کہ فنون لطیفہ کی ترقیان تاریخ کو شرما رہی ہین، ایک ہالی وڈ (فلم ساز خطۂ مقدس) مین ایک ہفتہ مین جس قدر خرچ ہوتا ہے، شاید مغلیہ سلطنت کے رنگیلے پیا عمر بھر مین بھی اتنی دولت نہ دیکھ سکے ہون، کیلی جون بینٹ کو چھ ہزار پونڈ فی ہفتہ تنخواہ مل رہی ہے، لیکن یہ سب کچھ سعدی مرحوم کی بوستان کی اس حکایت کی یاد دلاتا ہے جس مین انھون نے کہا ہے کہ

خانہ از پاے بست ویران است خواجہ در بند نقش ایوان است

مقصد اس تمام تشریح و تفصیل سے یہ نہین کہ ان تمام خرابیون کی ذمہ دار مادی ترقی ہے، اور ہم مادی ترقی کے مخالف ہین، بلکہ صرف اس قدر کہ جو مادی ترقی اخلاق کو نظر انداز کر کے حاصل کیجائیگی اسکا لازمی اور فطری نتیجہ یہی ہوگا، اور جب دنیا مین خدا کی حکومت سے سرکشی ہوگی اس کی جنت مین بھی وہ آگ ہوگی کہ،

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ جسکے شعلے دلون کو لپیٹ رہے ہونگے،

دوسرے سوال کا جواب اس قدر غیر مبہم اور واضح ہے کہ اس کے ثبوت مین شواہد و دلائل کی زیادہ ضرورت نہین، جس نے قرآن کریم کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہین کر سکتا کہ قرآنی تعلیم نے دین و دنیا مین کچھ اس طرح امتزاج پیدا کیا ہے کہ ایک سے دوسرا جدا ہی نہین کیا جا سکتا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ خدا، انسان، اور دیگر مخلوقات مین باہمی رشتہ کا یقین جس صحت و خوبصورتی سے قرآن نے فرمایا ہے اس سے پیشتر کہین اس کا وجود نہین ملتا، اس سے قبل اس رشتہ کے انسانی تصور نے طرح طرح کی غلطیاں کھائیں کسی نے سمجھا کہ انسان اس دنیا مین اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ اپنے کسی پچھلے مجہول الکیف جنم کے گناہون کی سزا بھگتے گویا دنیا ان کے نزدیک ایک قید خانہ ہے جس مین نامعلوم جرمون کی پاداش مین انسان چکی پیسنے کو بند کر دیا گیا ہے، کسی نے انسان کو پیدائشی گنہ گار قرار دے کر اسے خود اپنے آپ سے متنفر کر دیا، کسی نے اپنے آپ کو خدا ہی سمجھ لیا اور کسی نے اتنا عاجز و ناتوان کہ ہر مخلوق ارضی و سماوی کے سامنے سر نیاز خم کر دیا، کوئی لذائذ دنیوی پر اتنا ریجھا کہ کھاؤ اور عیش مناؤ ہی کو مطمح نگاہ قرار دے دیا اور کسی نے انھین شجر ممنوعہ سمجھ کر ان سے کنارہ کشی مین ہی عافیت دیکھی (اسی تعلیم سے بدکا ہوا یورپ آج یون عنان گسیختہ نظر آ رہا ہے)

غرضیکہ دنیا افراط و تفریط کے اس جھولے مین جھول رہی تھی، کہ اسلام نے اس رشتہ مقدسہ کا صحیح ترین تصور ایک لفظ کے اندر پیش کر دیا، قرآن کریم نے جہان خلقت آدم کا ذکر کیا ہے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً، — مین دنیا مین نائب بھیجنے والا ہون،

اس ایک "خلیفہ" یا نائب کے لفظ مین اس تمام معمہ کا حل موجود ہے، جس کے سلجھانے سے دنیا قاصر تھی، اس نے صاف صاف بتا دیا کہ ارض و سما مین جو کچھ ہے وہ محض اس لئے ہے کہ نائب خدا اس سے کام لے، اسکی مزید تشریح ان صاف الفاظ مین موجود ہے،

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا، — پستیون اور بلندیون مین جو کچھ ہے اس سب کو حضرت انسان کے تابع فرمان بنایا۔

اس اجمال کی تفصیل مین متعدد شواہد قرآنی نہایت آسانی سے مل سکین گے، مثلاً،

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری مین سواریاں دین اور ان کو پاک چیزون سے رزق عطا کیا اور بہت سی ان چیزون پر جو ہم نے پیدا کی مین ان کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے،

کہین فرمایا کہ

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ، (۱۶ : ۵)

تمہارے لئے جانورون کو پیدا کیا جنھین تمہارے لئے سردی سے حفاظت کا سامان اور منفعتین ہین اور انھین سے بعض کو تم کھاتے ہو،

اور کہین یہ کہ

وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِہٖ (۱۶:۱۲)

اس نے تمہارے لئے رات، دن، چاند، سورج، ستارے سب مسخر کر دیئے،

اور

ھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْہُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ، (۱۶:۱۴)

اس نے تمہارے لئے) سمندر کو مسخر کیا کہ اس سے تم تازہ گوشت نکال کر کھاؤ اور زینت کا سامان (موتی وغیرہ) نکالو جنکو تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو چیرتی ہوئی بہتی چلی جاتی ہین، اور سمندر کو اس لئے بھی مسخر کیا کہ اس مین تجارت کرو،

یہ اور ان جیسی اور سینکڑون آیات مین صاف صاف بتایا گیا ہے کہ عالم موجودات مین جو کچھ ہے وہ سب

انسان کیلئے مسخر کیا گیا ہے، سائنس نے انتہائی ترقی کی تو صرف ابھی تک اسی قدر کہ چند نوامیس فطرت اور قوانین قدرت کے علل واسباب کا تجزیہ کر سکی، ماہرین فلکیات کی قوت پرواز نے ساتھ دیا تو اتنا ہی کہ مریخ کی آبادی کے متعلق قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں، لیکن قرآن حکیم نے انسانی ترقی کی فضا کو اس قدر لامحدود اور وسیع قرار دیا ہے کہ سموات والارض جمیعاً یعنی زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں جو کچھ ان کے اندر ہے، سب کچھ انسان کے تابع کر دیا، مادی ترقی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ سب کچھ ایک علم الاشیاء کا مظاہرہ نظر آئیگا، قرآن حکیم نے جہاں آدم کو ملائکہ پر خلافت کے لئے ترجیح دی ہے وہاں اس ترجیح کا سبب یہی بتایا ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ کہ ہم نے آدم کو اشیاء کا علم دیدیا، ایسے کھلے کھلے احکام کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام مادی ترقی کا مانع ہے، ایسے خیال کی تو قرآن نے بزور تردید کی ہے، ارشاد ہے،

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ، (۷:۴)	کہو کہ کس نے زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں، اور پاک رزق (کو بھی خواہ مخواہ حرام کر دیا ہے)

دوسری جگہ ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ، (۵:۱۲)	اے ایمان والو جو چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، انھیں حرام نہ کرو،

رہبانیت یعنی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی سخت مخالفت کی ہے،

وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ، (۵۷:۴)	اور رہبانیت کا طریقہ مسیح کے پیروں نے خود نکال لیا تھا کہ خدا کی خوشنودی حاصل کریں، ہمنے انکو ایسا نہیں کہا تھا

گویا خدا کی خوشنودی رہبانیت میں نہیں ہے، بلکہ سعی وجد وجہد میں ہے، اس نے مومنین کے اعمال صالحہ

[1] قرآن حکیم ستاروں میں آبادی کا شاہد ہے، وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ..... (شوریٰ رکوع)

کے نتائج کو اخروی زندگی کی جنت پر ہی نہیں انحصار کیا، بلکہ اس دنیا کی عزت وسطوت بھی ان کے لئے مخصوص کر دی ہے،

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء)	ہم نے زبور میں بعد موعظت ونصیحت یہ لکھدیا تھا کہ فی الحقیقت زمین ہمارے صالح بندوں کی وراثت ہے

سورۂ مومنون میں شروع ہی میں فرمایا کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، کہ یقیناً مومن ایک نہایت کامیاب زندگی بسر کرینگے، اور اس کے بعد انکے دو تین اوصاف بیان فرمائے، اس سے صاف عیاں ہے کہ فلاح وبہبود، کامرانی وشادکامی، اور دنیادی حکومت وتوریث خلافت خاصۂ لازمی ہے اعمال صالحات کا، اور اسلام کی بادشاہت میں اس دنیا کی کامیابی اور آخرت کی سرخروئی دونوں شامل ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کا خدا ان کی بدعنوانیوں اور سرکشیوں کی وجہ سے ان سے روٹھ گیا تو اس نے اس قوم پر سب سے بڑا غضب جو نازل کیا وہ یہی تھا کہ

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ،	ہم نے ان پر ذلت ومسکنت کی لعنت کا غضب نازل کر دیا[1]،

اس کے بعد بھی یہ کہنا کہ اسلام مادی ترقی کا مانع ہے، حقیقتوں سے چشم پوشی کرنا ہے،

لیکن مغربی مادی ترقی اور اسلامی مادی ترقی میں ایک بین فرق ہے اور یہی فرق ہے جو ایک کو اخلاقی پستی کے قعر مذلت میں ڈھکیل رہا ہے، اور دوسرے کو ارتقائے روحانیت یا بہ اصطلاح جدید "اخلاقیات" کی معراج اعلیٰ پر پہنچا دیتا ہے، مغرب انسان کو اس جہان عناصر کا مطلق العنان مالک قرار دیکر بلا کسی حدود وپابندی کے موجودات عالم کو اپنے تصرف میں لانے کا مجاز سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اخلاقی حدود کو مستانہ وار توڑتا چلا جاتا ہے، لیکن اسلامی ترقی کا تصور انسان کو مالک نہیں بلکہ ایک مالک کا نائب قرار دیتا ہے، جو اپنی زیر تسخیر

[1] اس لعنت خداوندی کا آج بھی ثبوت دیکھنا ہو تو جرمنی کے یہودیوں کے حالات اخبارات میں دیکھئے، ایسی دولتمند قوم ہونے کے باوجود دنیا کے کسی گوشہ میں انکے لئے عزت کی امان موجود نہیں ہے، اور ہر جگہ سے دھتکار کر نکالے جا رہے ہیں، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مملکت سے کام تو ضرور لیتا ہے، لیکن اپنے آقا کے نظام و احکام کے ماتحت، وہ ان چیزوں سے متمتع ضرور ہوتا ہے لیکن انہی قیود و شرائط سے مقید ہو کر جو نوامیس فطرت اور قوانین الٰہیہ نے متعین کر دی ہیں، اور پھر اپنے آپ کو ان تمام اعمال و افعال کی جوابدہی کا مستوجب سمجھتا ہے جو ان اشیاء پر حکومت، اور ان سے تمتع و تنفع کے دوران میں، اس سے سرزد ہوتے ہیں، اور چونکہ وہ قوانین رب العلمین کے نافذ فرمودہ ہیں اس لئے ان میں کسی قبیلہ، کسی گروہ، کسی قوم، کسی ملک کے ساتھ ظلم و استبداد اور جور و جفا کی اجازت نہیں دیتے، اور موجودات عالم کے استعمال و استفادہ کی حدود بھی اسی صانع قدرت کی مقرر کردہ ہیں جو خوب جانتا ہے کہ فطرت انسانی میں کہاں کہاں "بھک سے اڑ جانے والا مادہ" موجود ہے، اس لئے ان حدود کے اندر رہتے ہوئے کسی چیز کا استعمال مخرب اخلاق نہیں ہو سکتا، چنانچہ موہبت خلافت الٰہی کے وقت حضرت آدم کو یہ حکم بھی ساتھ ہی سنا دیا گیا کہ

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ، (۲: ۴)

(خلافت و نیابت الٰہی کے بڑے کارزار میں) جو ہماری ہدایات کے تحت چلیگا اس کے لئے کوئی خوف و حزن کی بات نہیں، (یعنی انھیں اطمینان قلبی حاصل ہوگا)

تو ریث خلافت الٰہی کو اس نے مشروط بہ اعمال صالحہ کر دیا (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) اس نے صاف صاف کہدیا کہ حکومت و ثروت کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے جذبات کی کامرانی اور خواہشات کی کامجوئی کے لئے سیاہ سفید جو جی میں آئے کرتے چلے جاؤ اور تمھیں کوئی پوچھنے والا ہی نہ ہو، بلکہ اس سے تو مقصود یہ ہے کہ

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ، (۲: ۶)

اس نے تمھیں زمین میں نائب بنایا، اور ایک کو دوسرے پر درجات و فوقیت عطا کی تو وہ اسلئے ہے کہ جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے، اس میں تمھاری آزمایش کرے،

یعنی یہ حکومت و سطوت، یہ مادی ترقیاں محض اس لئے ہیں کہ خود امن و سکون کی زندگی بسر کرو، اور دوسروں کے لئے بھی امن و سکون کی زندگی مہیا کرو، کیونکہ قرآن کے نزدیک فتنہ و فساد قتل و غارت گری سے بھی زیادہ برا ہے،

یہی نہیں کہ تم صرف اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو بلکہ

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

ارباب اقتدار پر کچھ اور بھی فرض عائد کر دیئے کہ وہ نہ صرف اصلاح نفس خویش کے ذمہ دار ہیں، بلکہ وہی خدا کی زمین پر بسنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بقائے فلاح و بہبود کے بھی ذمہ دار ہیں، ارشاد ہے،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ، (۲۲: ۴۳)

اگر ہم ان (مسلمانوں) کو زمین میں قائم کر دیں تو وہ نہایت اچھے کام سرانجام دینگے، یعنی نماز پڑھینگے، زکوۃ دینگے، لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینگے اور برائی سے روکیں گے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے،

مغرب کے پیش نظر اسی دنیا کا تصور ہے، اور ان کے نزدیک

زندگی کیا ہے، عناصر کا ظہور ترکیب ، موت کیا ہے، انہی اجزا کا پریشان ہونا،

وہ اپنے اعمال و افعال کے لئے کسی اعلیٰ ہستی کے حضور جوابدہی کو تسلیم نہیں کرتے، اس لئے خود ہی قوانین مرتب کر لیتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں ان میں ترمیم و تنسیخ کر دیتے ہیں، حدود و قیود پر تو وہ نگاہ رکھے جو کسی اور ہستی کے نافذ فرمودہ قوانین کو دستور اساسی سمجھتا ہو، ان کے نزدیک جو اصول و قواعد انھیں اپنے ارادوں میں کامیاب کر دیں وہی جائز بلکہ انسب اور جن کے اتباع سے انھیں جذبات کی فیروز مندی میں وقت نظر آئے وہ ناجائز اور غیر موزوں، چونکہ مطمح نگاہ یہی زندگی ہے، اور اسی زندگی کی کامیابی شکست و فتح کا معیار، اس لئے ہر قسم کا تصرف جائز و درست،

لیکن اسلامی تہذیب کے پیش نظر صرف یہی دنیا نہیں بلکہ اس کے بعد اس دنیا کے تمام اعمال و افعال کے لئے، جن تک دنیوی سوسائٹی کی نگاہ کی رسائی بھی ممکن نہ تھی، ایک حی و قیوم، احکم الحاکمین کے حضور جوابدہی ضروری ہے، لہٰذا وہ اپنے تمام تصرفات میں ان حدود کا خیال رکھتے ہیں جو اس مالک الملک نے متعین فرما دی ہیں،

جن کے یہ نائب بنکر دنیا مین حکومت کرتے ہین، یعنی دنیاوی ترقیان ان کے نزدیک مقصود نہین بلکہ ذرائع ہین، وہ اپنی زندگی کی ریل گاڑی مین فرسٹ کلاس کے ڈبے ضرور لگاتے ہین لیکن اس ڈبے کو اپنا گھر سمجھ کر نہین بیٹھ جاتے بلکہ منزل مقصود پر پہنچ کر اسے بھول جاتے ہین، مادی اسباب کی راحتین ان کے راستے مین سایہ دار درخت کی طرح آتی ہین جن کے نیچے تھکا ماندہ مسافر بیٹھ کر ذرا سستا لیتا ہے، لیکن وہین ڈھیر ہو کر نہین رہ جاتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس زندگی اور زندگی کے علائق کو مقصود قرار نہین دیا بلکہ فرمادیا،

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّ لَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيۡنَكُمۡ وَ تَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطَامًا، (۵۷: ۳)

سمجھ لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے سے زیادہ نہین، اور ایک ظاہری شان اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد مین ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا ہے، اسکی مثال ایسی ہے کہ بارش ہوئی، اسکی روئیدگی نے نافرمانون کو خوش کردیا، پھر وہ پک گئی اور تو نے دیکھا کہ زرد ہو گئی اور پھر بھوسہ ہو گئی،

اگر اس نے ایک جگہ متاع الدنیا کو زینت قرار دیا تھا تو دوسری جگہ یہ بھی صاف فرمایا کہ کہین اس زینت مین ہی الجھ کر نہ رہ جانا،

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ،

(تمھاری کامیابی کے لئے) اللہ کے وعدے برحق ہین لیکن دیکھنا کہین دنیا کی زندگی (اور زندگی کی کامرانی) کہین تمھین دھوکے مین نہ ڈال دے، اور یہ فریب تمھین خدا سے ہی بھلا دے،

اسی لئے وہ اگر ایک طرف رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً (اے اللہ ہمین دنیا مین حسنات عطا فرما) کی دعا مانگتا ہے تو ساتھ ہی وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً کی بھی استدعا کرتا ہے، وہ اس دنیا اور اسکی متاع حیات کو فانی قرار دیتا ہے، اور اعمال کے بدلہ مین اس کے بعد جو ملنے والا ہے، اسے خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى (یعنی اچھا بھی اور دیرپا بھی) فرماتا ہے، وہ اگر ایک طرف كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا (کھاؤ پیو) کی اجازت دیتا ہے تو فوراً وَلَا تُسۡرِفُوۡا (زیادتی نہ کرو) کی حد بندی بھی کردیتا ہے، انفاق اس کے نزدیک اگر انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے اصل الاصول حیات ہے، تو اس کے ساتھ ہی اسراف (ضرورت سے زیادہ صرف کرنا) اور تبذیر (بلاضرورت صرف کرنا) کو عمل الشیطان بتاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو کام، افراط و تفریط سے بچکر معینہ حدود کے اندر رہ کر اپنے ذاتی مفاد اور قومی و ملی اغراض کی خاطر ظہور پذیر ہون، وہ انھین فی سبیل اللہ، (یعنی اللہ کے راستے مین) قرار دیتا ہے، اور یہی وہ "تلك حدود اللہ" (اللہ کی حدود ہین) جن کے لئے فرمایا کہ لَا تَقۡرَبُوۡهَا، کہ ان کو توڑنا تو ایک طرف ان کے پاس تک بھی نہ آؤ، زندگی کے ہر شعبہ مین خدا کا یہی تصور ہے، جس کی یاد انھین طمانیت قلب عطا کرتی ہے، اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ،

یہ ہے وہ بین فرق جسنے یورپ کو باین ہمہ ترقی و تہذیب آج اس قدر مصائب و آلام کا شکار بنا رکھا ہے، اور انھین کوئی راہ نکلنے کی دکھائی نہین دیتی، کیونکہ وہ

يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ، (۳۰: ۴)

صرف دنیا کی ظاہری (نظر فریب) زندگی کو ہی (مقصد حیات) سمجھتے ہین، اور آخرت (کی اصل زندگی) سے غافل ہین، (اسلئے ہر ایک کے من مین جو رہے جو باعث ہے اس تمام فقدان سکون و امنیت کا)

(باقی)

الانتقاد علی التمدن الاسلامی،

"دیوان بیدل کے نسخۂ بے بدل" پر ایک استدراک

از

جناب محمد یٰسین خانصاحب نیازی، ایم اے، گورنمنٹ کالج، جھنگ،

میرزا عبد القادر بیدل عظیم آبادی کے ایک بے بدل نسخہ دیوان مملوکۂ کتبخانۂ حبیب گنج پر جو مصنف کے اپنے قلم کا لکھا ہوا بتایا گیا ہے ایک مختصر تحریر معارف بابتہ ماہ جنوری ۱۹۳۴ء مین شائع ہوئی ہے، اس تحریر مین بعض بیانات میری رائے مین محلِ نظر معلوم ہوتے ہین، اور غالباً وہ غلط فہمیان محترم مقالہ نگار کی نظر سے مرزا کی تاریخ ولادت نہ گذرنے کے باعث پیش آئین، چنانچہ فرماتے ہین :۔

"میرزا بیدل کا سن ولادت حاضر الوقت تذکرون مین نظر سے نہین گذرا سنہ وفات ۱۱۳۳ھ"

میرزا کی تاریخِ ولادت کا بیان متعدد تذکرون مین موجود ہے، مثلاً "سفینۂ خوشگو" (تصنیف ۱۱۴۷ھ) خوشگو اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین، کہ میرزا کے والد کے ایک دوست مسمّٰی قاسم درویش نے میرزا کی تاریخِ ولادت لفظ "انتخاب" سے نکالی جس سے بروے حساب جمل ۱۰۵۴ برآمد ہوتے ہین، خوشگو کے اس بیان سے واضح ہے کہ میرزا ۱۰۵۴ھ مین پیدا ہوے

سالِ ولادت معلوم ہوجانے کے بعد یہ قیاس صحیح نہین رہتا کہ

"اس قیاس سے تحریر دیوان کا زمانہ میرزا صاحب کی عمر کے پچاس ساٹھ برس کے درمیان ٹھہرتا ہے"

کیونکہ جب میرزا کے دیوانِ زیرِ بحث کی کتابت جیسا کہ اُس تحریر مین ہے ۱۰۹۸ھ مین تکمیل کو پہنچی تو دوسرے معنی یہ ہوئے کہ میرزا کا یہ گرانمایہ نسخۂ دیوان مصنف کی عمر کے چوالیسوین دور مین لکھا گیا، اس لئے پھر یہ قیاس بھی صحیح نہین رہتا کہ

"تحریر دیوان کے بعد میرزا صاحب ۳۵ سال زندہ رہے، اس طرح قیاساً عمر نوے برس کی ہوگئی"

کہ سالِ ولادت ۱۰۵۴ھ اور سالِ وفات ۱۱۳۳ھ متعین ہوجانے کے بعد ان کی عمر اُنتھتر، اُناسی سال کی قرار پاتی ہے،

نیز اگر دیوان کے اوراق کی تعداد اور تقطیع پر غور کیا جائے تو گمان ہوتا ہے کہ یہ دیوان میرزا کا مکمل دیوان نہین ہوگا بلکہ ان کے دیوان کا انتخاب ہوگا، جو ان کے حینِ حیات مین ان کے رفقا کے اصرار پر تیار کیا گیا تھا، اسی قسم کا انتخاب جو میرزا کی زندگی کا لکھا ہوا ہے، پنجاب یونیورسٹی لائبریری مین موجود ہے، جس کا تذکرہ اورنٹل کالج میگزین بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۳ء مین آیا ہے،

تلخیص و تبصرہ

فریبِ ذہن

اس موضوع پر ایک نفسیاتی لیکن نہایت سلیس اور سلجھا ہوا مضمون ایک جرمن رسالہ "کورال" (Koralle) میں شائع ہوا تھا جسکا انگریزی ترجمہ سنڈے اسٹیٹسمین مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۹ء میں نکلا ہے، ناظرین معارف کی ضیافتِ طبع کے لئے ہم اسکا ملخص ترجمہ سطور ذیل میں پیش کرتے ہیں، جس موضوع پر جرمن مقالہ نگار نے روشنی ڈالی ہے وہ عام تجربہ کی چیز ہے، اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو اس فریب میں کبھی نہ کبھی مبتلا نہ ہو چکا ہو،

آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوستون سے باتین کر رہے ہین اور آپ کے دماغ کو پورا سکون حاصل ہے دفعۃً آپ کے ذہن مین یہ عجیب و غریب خیال یقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ اس سے پہلے کسی اور موقعہ پر بھی آپ پر ٹھیک یہی لمحات گذر چکے ہین، عقل کہتی ہے کہ ایسا نہین ہو سکتا، آپ ان لوگون سے اس سے پیشتر کبھی اس مقام پر نہین ملے، خود موضوعِ گفتگو بھی ایک ایسا واقعہ ہے جو صرف گذشتہ چند گھنٹون کے اندر پیش آیا ہے، غرض ہر شے مختلف ہے، تاہم آپ کے ذہن پر یہ خیال مستولی ہے کہ یہ حالت اس سے قبل بھی گذر چکی ہے،

آپ ہمت اور سرگرمی کے ساتھ سفر کر کے ابھی ابھی ایک ایسے شہر مین پہنچے ہین جسے اب سے پہلے آپ نے کبھی نہین دیکھا تھا، آپ ایک ہوٹل مین داخل ہوتے ہین اور دریچہ سے بے پروائی کے ساتھ سڑک پر نظر ڈالتے ہین اور لوگون کی آمد و رفت کو دیکھتے ہین کہ دفعۃً وہی خیال آپ کے ذہن مین پھر پیدا ہوتا ہے اور آپ اپنے دل مین کہتے ہین کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مین اس سے ہمیشہ سے واقف ہون" حالانکہ آپ جانتے ہین کہ یہ ناممکن ہے،

اہلِ فرانس اس فوری خیال کو "déjà vu" یعنی "دیکھی ہوئی چیز" کا احساس کہتے ہین بعض اوقات یہ خیال آپ پر نہایت شدت کے ساتھ مستولی ہو جاتا ہے، لیکن یہ چیز کوئی حال کی دریافت نہین ہے، قدیم زمانے کے لوگون کو بھی اس سے دلچسپی تھی اور جو لوگ تناسخ کے قائل ہین انھون نے اسے اپنے مسئلہ کی "حقیقت" ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے، وہ کہتے ہین کہ یہ زندگی ہماری پہلی زندگی نہین ہے، بلکہ پیدائش اور موت محض اسٹیشن ہین جہان ہم ایک لامتناہی سفر کے سلسلہ مین گاڑیان بدلتے رہتے ہین، ہم نہین جانتے کہ پیدائش سے قبل ہم پر کون کون سے واقعات گذرے، لیکن ان حیرت انگیز لمحات مین جب ایک قطعی طور پر نئی چیز ہمین جانی بوجھی محسوس ہونے لگتی ہے ہمین ایک ایسی چیز کی جھلک نظر آجاتی ہے جو کسی سابق زندگی مین حقیقۃً ہمین پیش آچکی ہے،

جدید سائنس کو اس قسم کی بعید الفہم توجیہون کی ضرورت نہین، فلسفۂ نفسیات بتاتا ہے کہ "دیکھی ہوئی چیز" کا احساس ہمارے حافظہ کا ایک فریب ہے، یہ فریب متعین حالات مین پیش آتا ہے، اور بعض حالات مین اس کا پیش آنا لابدی ہوتا ہے،

اس کے اسباب مختلف ہو سکتے ہین، جب ایک بالکل نیا منظر ہمین دفعۃً پہلے کا دیکھا ہوا معلوم ہونے لگتا ہے تو اس کا سبب وہ ہو سکتا ہے جو ذیل کی مثال مین پایا جاتا ہے:-

فرض کیجئے کہ ایک سڑک پر جہان آمد و رفت زیادہ ہے اور جسے ہم نے پیشتر کبھی نہین دیکھا تھا، کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہین مثلاً ایک اشتہار جس کی اشاعت دور دور ہوئی ہے، ضروری نہین کہ یہ کوئی بہت نمایان اشتہار ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہم نے اسے پہلے دانستہ طور پر دیکھا بھی ہو، باوجود اس کے یہی ایک چیز جسے ہم ماضی مین کسی موقعہ پر دیکھ چکے ہین، اور جو ہمارے حافظہ کے ایک گوشہ مین اب تک محفوظ ہے اس فریب کا سبب ہے کہ یہ پورا ماحول ایک طویل مدت سے ہمارا دیکھا بھالا ہے، کیونکہ یہ ایک دماغی قانون ہے کہ جب کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کا اثر پورے ماحول پر بھی پڑتا ہے، مثلاً اگر کسی مقام پر ہمین کوئی دہشتناک واقعہ پیش آچکا ہے تو وہ مقام ہمیشہ ہمین دہشتناک معلوم ہوتا رہیگا، اور اس کی تمام بے ضرر اور غیر اہم چیزون سے بھی ہمارے

دماغ میں پہنچنی پیدا ہوتی رہیگی، جن اشیاء اور جن مناظر کے درمیان ہم نے اپنے بچپن کا زمانہ مسرت کیساتھ گذارا
وہ ہمارے اندر مسرت انگیز جذبات کو پیدا کرنے کی قوت رکھتے ہیں، جو کھانا ہم اس وقت کھا رہے تھے جب
ہم نے کوئی بری خبر سنی وہ ہمارے لئے پھر ہمیشہ بدمزہ ہوجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح اگر کسی نئے ماحول کے ایک
جزو سے بھی ہم پہلے واقف رہ چکے ہیں تو وہ پورے ماحول پر اپنا اثر ڈال دیتا ہے، اور ہم سمجھنے لگتے ہیں کہ تمام
چیزیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں،

فریب ذہنی کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ جس حالت میں ہم ایک سکنڈ پہلے تھے وہ نہایت قدیم معلوم
ہونے لگتی ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم تھکے ہوئے یا سست ہوتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ چند سکنڈ کے
اندر کس قدر خواب دیکھا جاسکتا ہے، بیدار ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم گھنٹوں سو چکے ہیں آپ
گھڑی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک جھپکی آگئی تھی، تاہم آپ محسوس کرتے ہیں کہ اتنی ہی دیر میں
آپ نے سب کچھ دیکھ ڈالا، یہ نتیجہ ہے اس خلل کا جو آپ کی حالت شعوری میں چند سکنڈ کی جھپکی سے پیدا ہوگیا تھا،

بعض اوقات یہی کیفیت آپ پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب آپ اونگتے نہیں بلکہ بہت تھکے ہوئے ہوتے
ہیں اور اس حالت میں آپ کا دماغ قطعی نادانستہ طور پر موجودہ حالات سے علیحدہ ہوکر ادھر اودھر کی سیر کرنے
لگتا ہے، اور تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنے ماحول سے بالکل منقطع ہوجاتے ہیں، جب آپ دفعۃً سنبھلتے ہیں تو ایسا
محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ چیزیں ایک زمانہ دراز کی دیکھی ہوئی ہیں جو اب دوبارہ آپ کی نظر کے سامنے آرہی ہیں
آپ بھول جاتے ہیں کہ آپ کا شعور صرف چند سکنڈ کے لئے معطل تھا، اور جو چیزیں اس تعطل سے پیشتر کی دیکھی ہوئی
تھیں انھیں آپ ایک طویل مدت کی دیکھی ہوئی خیال کرنے لگتے ہیں، یہی سبب ہے اس فریب ذہنی کا،

اس فریب کی ایک دوسری مثال لیجئے، فرض کیجئے کہ ایک سڑک کو پار کرتے وقت ہمارے دماغ میں
اسکی دوسری سمت کا ایک اچٹتا ہوا خاکہ تھا، اور ایک لمحہ کے لئے ہمارا شعوری تعلق اپنے ماحول سے منقطع ہوجاتا
ہے، پھر جب ہم سڑک پار کرکے مقابل پٹری پر پہنچتے ہیں تو ہم حیرت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ وہاں کی چیزیں

ہماری دیکھی ہوئی ہیں، ہم اس خفیف وقفہ سے بے خبر رہتے ہیں جب ہمارا سلسلۂ خیالات منقطع ہوگیا تھا اور سڑک کی
دوسری سمت کی جو جھلک ہم نے پہلے دیکھی تھی اُسے ایک دور دراز زمانہ کی یاد سمجھنے لگتے ہیں،

ہم اکثر اپنے تصور کا شکار ہوتے رہتے ہیں، مثلاً ہم کوئی ایسی تقریر سن رہے ہیں جس کے مواد اور ترتیب
کے متعلق ہمیں پہلے سے پوری واقفیت ہے، ہم جانتے ہیں کہ مقرر جو ہوائی جہازوں پر تقریر کر رہا ہے آخر میں
کونٹ زیپلین کے متعلق کوئی واقعہ بیان کرے گا، جونہی اس نے تقریر شروع کی ہمارے ذہن میں یہ بات آئی کہ
وہ آیندہ فلان فلان چیزیں بیان کرے گا، تھکنے اور اکتا جانے کی وجہ سے تقریر کا سلسلہ ہم سے چھوٹ جاتا ہے
ہمارا دماغ ادھر اودھر چکر کرنے لگتا ہے اور ہم اس کی آواز کو بھی صفائی کے ساتھ نہیں سنتے کہ دفعۃً ہم اس غفلت
سے بیدار ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ٹھیک اسی مقام پر اور انہی لوگوں کے ساتھ ہم پہلے بھی رہ چکے ہیں
اور اسی شخص کو تقریر کرتے ہوئے اس سے پیشتر بھی سن چکے ہیں،

اس کی توجیہ مشکل نہیں، ہماری بیداری کے وقت مقرر کونٹ زیپلین کے واقعہ کو بیان کر رہا تھا اور
چونکہ ہم اس واقعہ سے پہلے سے واقف تھے اس لئے پوری تقریر اور تمام ماحول سے واقفیت کا خیال پیدا ہوگیا،

"ع ز"

برص وجذام

اس مرض کے متعلق کم سے کم تین ہزار برس سے واقفیت ہے، پہلے یورپ میں یہ کثرت سے پایا جاتا تھا،
لیکن قرون وسطیٰ کے بعد جب وہاں کا معیار معیشت بلند ہوگیا اس کی کثرت میں بہت کچھ کمی ہوگئی آج یہ
زیادہ تر گرم اور مرطوب آب وہوا کے ملکوں میں پایا جاتا ہے، اس کی کثرت سب سے زیادہ وسط اور مغربی
افریقہ میں، جنوبی امریکہ کے شمالی حصہ میں، اور بحر الکاہل کے متعدد جزیروں میں ہے، ہندوستان، چین، اور
جاپان کے لوگ بھی ایک بڑی تعداد میں اسکا شکار ہیں، افریقہ کا بہت کم حصہ ایسا ہے جہاں یہ مرض بالکل نہ پایا
جاتا ہو، اور آسٹریلیا، شمالی امریکہ اور یورپ میں بھی اس کی شکایت موجود ہے، ناروے اور آئیسلینڈ میں یہ

وبا کثرت سے پھیلی ہوئی ہے،

اب سے چند سال پیشتر تک ڈاکٹرون کے ہان اسکا کوئی قطعی علاج نہ تھا، اکثر ممالک مین مبروص ومجذوم اشخاص سوسائٹی سے خارج کر دیئے جاتے تھے، اس مرض سے دوسرون کو محفوظ رکھنے کا صرف یہی طریقہ تھا کہ ایسے اشخاص جبری طور پر علحدہ رکھے جاتے تھے، پھر بھی تعدیہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا تھا، اس مرض کے مریضون کے لئے ایک مقام خاص کر دیا جاتا تھا، جو لوگ اس مقام پر بھیجے جاتے تھے ان کو تقریباً تمام عمر قید کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی، وہان انھین طرح طرح کی تکلیفین ہوتی تھین، یہی وجہ ہے کہ جن ممالک مین ایسے لوگون کو جبری طور پر ان مخصوص مقامات مین بھیج دیا جاتا ہے، وہان ان کے اعزہ اور احباب حتی الامکان مرض کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہین اور اس وقت تک اس کو چھپائے رکھتے ہین جب تک کہ وہ اتنی ترقی نہ کر جائے کہ اسکا چھپانا ناممکن ہو جائے، پہلے ان مقامات مین قیام کی مدت چار سے آٹھ سال تک ہوتی تھی،

برص وجذام ایک قسم کے جراثیم سے پیدا ہوتے ہین جو دق کے جراثیم سے بہت ملتے جلتے ہین، خوردبین سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون مین بظاہر کوئی فرق نہین ہے، تاہم دونون مین فرق یہ ہے کہ جذام کے جراثیم کا حملہ بجائے پھیپھڑون کے جلد اور اعصاب پر ہوتا ہے، لیکن دونون کی رفتار یکسان طور پر سست ہوتی ہے، جذام کا اثر اکثر بیس سے کم عمر والون پر ہوتا ہے، تیس سال کی عمر کے بعد اسکا تعدیہ بہت شاذ ہوتا ہے، جہانتک تعدیہ کا تعلق ہے برص وجذام دق سے کم متعدی ہین، ان کے جراثیم انسانی جسم سے باہر نہین رہ سکتے، اسی فی صدی واقعات مین تعدیہ کا سبب یہی پایا جائے گا کہ لوگ مریض کے ساتھ عرصہ تک ایک ہی مکان مین رہتے تھے، تعدیہ کے بعد بھی مرض کی علامتین بہت دنون مین ظاہر ہوتی ہین، کبھی کبھی سالون گذر جاتے ہین تب اس کی علامتین واضح طور پر دکھائی دینے لگتی ہین،

۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء کے درمیان اس مرض کے علاج کا ایک نیا تجربہ کلکتہ مین کیا گیا، اس تجربہ کی کامیابی کا سہرا زیادہ تر ڈاکٹر سر راجرس (Dr. Sir Rogers) کے سر ہے، انھون نے جذام کے مریضون کو

مونگرے کے چاول کے تیل کا انجکشن دینا شروع کیا، بہت سے انجکشن کے بعد اس کا اثر مرض کی علامتون پر ظاہر ہونا شروع ہوا جن لوگون کا مرض ابتدائی حالت مین تھا ان کو اس سے نمایان طور پر فائدہ ہونے لگا، پندرہ سال کے تجربہ نے اس علاج کے مفید ہونے مین کوئی شبہہ باقی نہین رکھا ہے، البتہ مرض کے ازالہ مین مہینون بلکہ سالون لگ جاتے ہین، جو اعضا مرض کی شدت سے کٹ کر گر گئے ہین وہ تو از سر نو درست نہین ہو سکتے، لیکن اگر ایک مدت تک اس علاج پر مداومت کیجائے تو اکثر و بیشتر ابتدائی درجہ مین مرض کا ازالہ ضرور ہو جاتا ہے، اور دوسرے درجہ مین بھی بعض لوگون کو اس سے فائدہ پہنچ ہی جاتا ہے،

اس علاج کی کامیابی نے برص وجذام کے مسئلہ کی ایک نئی شکل پیدا کر دی ہے، اب جونہی مرض کی ابتدائی علامتین ظاہر ہون اس کا علاج بہت کچھ کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، جن لوگون کے ساتھ مجذوم ملتا جلتا ہے ان کا طبی معائنہ وقتاً فوقتاً کیا جا سکتا ہے اور اگر تعدیہ کا کوئی اثر پایا جائے تو اس کا انسداد شروع ہی مین ہو سکتا ہے، اس طریقۂ علاج مین یہ بھی ہمیشہ ضروری نہین کہ مریض کو دوران علاج مین سب سے علحدہ رکھا جائے، مرض کی اس نوعیت مین جب اثر صرف رگون پر ہوتا ہے، اکثر جلد پر کوئی زخم نہین ہوتا اس لئے اس وقت تعدیہ کا خطرہ بھی نہین ہوتا، ایسے مریضون کا علاج معمولی اسپتالون مین بھی کیا جا سکتا ہے، اس طریقہ سے کسی ایک خطہ مین برص وجذام کی شکایت دس سال کی قلیل مدت مین بہت بڑی حد تک دور کیجا سکتی ہے،

جزیرہ ناورو (Nauru) مین یہ طریقۂ علاج سب سے زیادہ کامیاب ہوا ہے، تین ہی سال کی مدت مین مجذومون کی تعداد چالیس فیصدی کم ہو گئی، ایک سال بعد جن لوگون نے تعدیہ کا اثر قبول کر لیا تھا ان کی تعداد نصف رہ گئی، یہی تجربہ ایک بڑے پیمانہ پر جنوبی سوڈان مین کیا گیا، یہان (۶۵۰۰) آدمی، یعنی پانچ فیصدی آبادی، جذام مین مبتلا پائے گئے، جنمین سے (۴۸۰۰) مریضون کے لئے تیس مربع میل کا ایک خطہ علحدہ کر دیا گیا تھا، ۱۹۳۲ء کے اختتام تک (۲۲۳۰) آدمی بالکل تندرست ہو کر وہان سے نکل آئے تھے،

(مانچسٹر گارجین) "ع ز"

سائنس کی پیشینگوئیان

چندماہ قبل جنرل موٹرس کارپوریشن (امریکہ) کے صدر مسٹر سلون (Sloan) نے پانچ سو سے زائد اکابر سائنس کی رائین سائنس کے آیندہ کارنامون کے متعلق دریافت کی تھین، سب کے جوابون کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنس نے اس وقت تک جو کارنامے دکھلائے ہین وہ اُن حیرت انگیز کارنامون کے مقابلہ مین کچھ بھی نہین ہین جو آیندہ سو سال کی مدت مین ظاہر ہونے والے ہین، چنانچہ تین سو سے زائد باوثوق پیشین گوئیون مین جو ان اکابر نے سائنس کے مستقبل کی نسبت کی ہین بعض یہ ہین:- ایک ایسا موٹر تیار کیا جائے گا جو صرف آفتاب کی روشنی سے چلے گا متعدی امراض کا استیصال ہو جائیگا، انسان ستر سال کی عمر تک زندہ رہ سکیگا، جوہر فرد (Atom) اور شعاع کوسمک (Cosinmic Rays) پر قابو حاصل ہو جائیگا، کائنات کی اصل اسکی فطرت اور وسعت کا راز منکشف ہو جائیگا،

ڈاکٹر رابرٹ ولسن نے جو شکاگو کے اس جلسہ مین شریک تھے جس مین یہ پیشین گوئیان سنائی گئی تھین فرمایا کہ اگرچہ ماہرین سائنس نے علوم جدیدہ کی دریافت و تحقیق ایک بڑی حد تک کر لی ہے، تاہم جہان تک انسانی فلاح و بہبود کا تعلق ہے اہم ترین اکتشافات کا عمل مین آنا ہنوز باقی ہے،

ڈاکٹر آرتھر کومپٹن نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور سائنس کے آیندہ امکانات کے سلسلہ مین بیان کیا کہ فضا کے مزید مطالعہ و تحقیق کے لئے ایک ایسی دوربین تیار کیجارہی ہے جس کی طاقت اس وقت کی بڑی سے بڑی دوربین سے چوگنی ہوگی، علاوہ برین جوہر فرد کے اندرونی حصہ کی تحقیق کے لیے جہان اس کی قوت کا اصلی خزانہ پوشیدہ ہے ایک جدید آلہ تیار کیا جارہا ہے، اسی طرح دنیا کے مختلف حصون مین شعاع کوسمک کی تحقیق کے لئے نہایت قوی آلات بنائے جا رہے ہین، پھر طبیعیاتی، اور کیمیاوی طریقے اعصاب و عضلات کے مطالعہ و تحقیق مین استعمال کئے جا رہے ہین، اور ان کی کامیابی حیرت انگیز ثابت ہو رہی ہے،

طب کے نصف درجن ماہرین نے جو شریک جلسہ تھے اس رائے کا متفقہ طور پر اظہار کیا کہ بہتیری بیماریان ناپید ہو جائینگی اور انسانی عمر مین اضافہ ہو جائے گا، انھون نے اپنے اس خیال کا بھی اظہار کیا، کہ گذشتہ پچاس برس مین فن طب نے جو ترقی کی ہے وہ اس سے قبل کی پچاس صدیون کی ترقی سے زیادہ ہے،

فن تعمیر کے نمایندہ مسٹر کوربٹ کی پیشین گوئی بہت دلچسپ تھی، انھون نے فرمایا کہ آیندہ مکانات ایسے ہونگے کہ ہر شخص انھین بنوا سکیگا، جہان تک آرام و آسایش کا تعلق ہے، مستقبل قریب کے مکانون کو موجودہ مکانون سے کوئی نسبت نہ ہوگی، ان کے بنانے مین ذرا بھی شور و غل نہ ہوگا، ایک ہفتہ کے اندر موجودہ مکانون سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ پائدار مکان بنکر تیار ہو جائے گا، ان تمام خوبیون کے باوجود مصارف اس وقت کے مقابلہ مین آدھے ہون گے،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

اخبار علمیہ

حجاج کی تعداد مین تخفیف

رسالہ "مسلم ورلڈ" (جولائی سنہ ۳۴ء) کے ایک نامہ نگار نے لندن مین سعودی عرب کے شاہی سفارت خانے سے ان حاجیون کے اعداد و شمار حاصل کئے ہین جو جدہ کے راستہ سے مکہ معظمہ کی زیارت کو سنہ ۱۹۲۸ء سے سنہ ۱۹۳۳ء تک گئے ہین، ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ حکومت حجاز نے زائرین بیت اللہ کے لئے بہت کچھ آسانیان بہم پہنچادی ہین ان کی تعداد مین برابر تخفیف ہوتی جاتی ہے جسکا سبب دنیا کی عام کساد بازاری ہے،

مندرجۂ ذیل گوشوارہ مین صرف سنہ ۱۹۲۸ء اور سنہ ۱۹۳۳ء کے اعداد و شمار دیئے گئے ہین،

	سنہ ۱۳۴۷ھ مطابق سنہ ۱۹۲۸ء			سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق سنہ ۱۹۳۳ء		
	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد
حبش	-	-	-	-	۱۱	۱۱
عدن	-	-	-	-	۱۷	۱۷
افغانستان	۵	۲۰۱۷	۲۰۲۲	۱۳	۲۳۹۰	۲۴۰۳
بحرین	-	-	-	۳	۱۷۶	۱۷۹
بخارا	۲۸	۱۹۵۹	۱۹۸۷	۲۴	۱۱۸۰	۱۲۰۴
کیپ ٹاؤن	۷	۱۰۵	۱۱۲	۵	۳۲	۳۷
چین	۲	۱۰۶	۱۰۸	-	۲۵	۲۵

	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد
داغستان	-	-	-	-	۱	۱
مصر	۳۱۵	۱۳۷۸۴	۱۴۰۹۹	۴۰	۱۵۸۵	۱۶۲۵
حضرموت	۱۰	۵۱۲	۵۲۲	۶	۲۶۷	۲۷۳
ہندوستان	۲۸۹	۱۳۴۹۲	۱۳۷۸۱	۲۸۲	۶۷۵۸	۷۰۴۰
عراق	۱	۵۲۷	۵۲۸	-	۱۴۹	۱۴۹
جاوا	۳۸۶۶	۴۵۵۲۸	۴۹۳۹۴	۱۶۱	۲۲۵۶	۲۴۱۷
مراکش	۱۸	۲۸۰۷	۲۸۲۵	۱۶	۱۲۶۸	۱۲۸۴
مسقط	۷	۳۳۴	۳۴۱	-	۱۱	۱۱
نجد	۲	۷۲	۷۴	-	-	-
نائجیریا	۲۶۰	۱۷۹۱	۲۰۵۱	۷۷	۴۳۲	۵۰۹
فلسطین	۲	۵۴۶	۵۴۸	۲	۱۹۵	۱۹۷
ایران	۱۱	۳۳۹۲	۳۴۰۳	۱	۵۸۵	۵۸۶
سینیگال	۱	۶۷	۶۸	-	۲۳	۲۳
سمالی لینڈ	-	۲۳۹	۲۳۹	۱	۷۴	۷۵
سوڈان	۲۸	۱۰۷۶	۱۱۰۴	-	۴۲۰	۴۲۰
شام	۲۰	۱۰۸۹	۱۱۰۹	۱۳	۴۹۱	۵۰۴
ٹرکی	۶	۸۶۹	۸۷۵	۲	۵۰	۵۲
یمن	۷	۱۲۳۵	۱۲۴۲	۳	۳۴۲	۳۴۵

	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد
زنجبار	-	۳۴	۳۴	-	۱	۱
حجاز	۵۷	۱۱۱۲	۱۱۶۹	۱۴	۵۱۰	۵۲۴
	۴۹۴۲	۹۲۶۹۳	۹۷۶۳۵	۶۶۳	۱۹۲۵۹	۱۹۹۲۲

سانپون کے متعلق چند دلچسپ معلومات،

مسٹر بارکلے نے جنھین مختلف ممالک کے سانپون کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہین، اس موضوع پر ایک مضمون رسالہ ڈزکوری (Discovery) مین شائع کیا ہے، جسے اسٹیٹسمین نے اپنے سنڈے اڈیشن (۲۲ جولائی ۳۴ء) مین نقل کیا ہے، ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے اس کے خاص حصے ذیل مین درج کئے جاتے ہین

سانپون کے متعلق عام طور سے لوگون کو بہت کم واقفیت ہے اور اسی ناواقفیت کی وجہ سے ایک بڑی تعداد ہر سال ان کا شکار ہوتی رہتی ہے، چنانچہ ہندوستان مین ہر سال بیس ہزار آدمی سانپ کے کاٹنے سے مرتے ہین، برازیل (Brazil) مین اسطرح مرنے والون کا سالانہ اوسط پانچ ہزار ہے لیکن جو لوگ جانبر ہو جاتے ہین ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے، افریقہ مین بھی لوگ نہایت کثرت سے سانپ کا شکار ہوتے رہتے ہین

سانپ بہت کم پہلے خود حملہ آور ہوتے ہین، وہ اسی وقت حملہ کرتے ہین جب انھین چھیڑا جاتا ہے، یا ان پر حملہ کیا جاتا ہے، ان کے حملہ آور ہونے کا خاص سبب غذا کا فراہم کرنا ہوتا ہے، تمام سانپ گوشت خوار ہوتے ہین، لیکن چونکہ اُن کے ہاتھ پیر نہین ہوتے جن سے وہ اپنے شکار کو گرفتار رکھ سکین اس لئے اُسے مسلم نگل جانے پر مجبور ہوتے ہین، یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے جانورون پر جنھین وہ نگل نہین سکتے خود حملہ نہین کرتے

غیر زہریلے سانپون مین تیزی اور چستی زیادہ ہوتی ہے ان کے کاٹنے سے چھوٹے تیز، اور ہموار دانتون کا چار قطارون کے نشانات جلد پر پڑجاتے ہین، یہ نشانات ہلکے ہوتے ہین اور ان سے خون نکلنے لگتا ہی

اس زخم کے علاج کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُسے خوب صاف کرکے اور جراثیم کو دور کرکے پٹی باندھ دی جائے، یہ معلوم کرنے کے بعد کہ زخم زہریلا نہین ہے صحت جلد ہو جائے گی،

زہریلے سانپ بھدے اور سست ہوتے ہین اور دن کے وقت کہین چھپے ہوئے پڑے رہتے ہین وہ اکثر تقریبًا اندھے ہوتے ہین، ان کے کاٹنے سے دو گہرے نشانات پڑجاتے ہین جو ایک دوسرے سے کسی قدر فاصلہ پر ہوتے ہین اور ان سے دو ایک قطرہ خون نکل آتا ہے، یہ نشانات سانپ کے زہریلے دانتون کے ہوتے ہین، زخم کے زہریلے ہونے کی علامتین یہ ہین کہ وہ مقام سوج جاتا ہی، وہان کے خون مین انجماد پیدا ہو جاتا ہے اور آخر مین رعشہ محسوس ہونے لگتا ہے لیکن زہریلے سانپون کے کاٹنے سے موت کا آنا لازمی نہین ہے، بہت کچھ اس امر پر منحصر ہے کہ زہر کس مقدار مین خون مین پہنچا ہے اور مریض مین قدرتی طور پر قوت مدافعت کتنی ہے، زہریلے سانپ کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سانپ ہی کے زہر کا تیار کردہ سیرم انجکشن کے ذریعہ سے جسم مین داخل کیا جائے، اور اگر ممکن ہو تو یہ سیرم اس قسم کے سانپ کا ہو جس نے کاٹا ہے، اگر سیرم دستیاب نہ ہو سکے تو مسٹر بارکلے کے تجربہ کے مطابق کامیاب طریقہ علاج یہ ہو کہ مریض کو آرام کرنا چاہئے، اس کے کپڑے ڈھیلے کر دیئے جائین اور جہان تک ممکن ہو اسے خاموش رکھا جائے، اسکی قوت مدافعت کو برقرار رکھنے کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کچھ گرم دودھ، گوشت، یا چاے وغیرہ دیدیا جائے، زخم کو صاف اور ٹھنڈا رکھنے کے علاوہ اور کوئی علاج ایسی حالت مین نہ کرنا چاہئے،

آفتاب کے داغون کا سب سے بڑا مجموعہ

آفتاب کے داغون کا سب سے آخری مجموعہ ۱۸ اپریل ۱۹۳۴ء کو ظاہر ہوا ہے، اس مجموعہ کی تصویر ڈاکٹر نکلسن (Dr. S. B. Nicholson) نے رصد خانہ ماؤنٹ ولسن مین لی ہے، ان کا بیان ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت اس کا طول ۱۰۶،۰۰۰ میل اور اس کے سب سے بڑے داغ کا قطر ۳۵،۰۰۰ میل تھا، یہ داغ جو آفتاب کے چہرہ پر ایک خال سا معلوم ہوتا ہے، اتنا وسیع ہو کہ اگر کوئی سیارہ کرۂ ارض کے قطر کی چوگنی وسعت بھی رکھتا ہو تو اس کے اندر غائب ہو جائیگا،

«ع ز»

ادبیات

سائنس اور مذہب

از

جناب اسد ملتانی، بی، اے،

سائنس کا شیدائی حیران نظر آتا ہے — الحاد کی سرحد پر ایمان نظر آتا ہے

کچھ دن رہی آگاہی خضرِ رہِ گمراہی — پھر علم کے پہلو مین عرفان نظر آتا ہے

دل اُنکے کے بندے کا ناچار پکار اٹھا — کچھ ہے جو نگاہون سے پنہان نظر آتا ہے

اب مادہ ٹھہرا ہے قوت ہی کی اک صورت — اور پردۂ قوت مین یزدان نظر آتا ہے

"کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو" — دانش کی تگ و دو کا پایان نظر آتا ہے

سائنس کے موجودہ اسلوبِ تخیل مین

مذہب کی ترقی کا سامان نظر آتا ہے

مرقع شوق

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ایم اے، ام، او، ال پروفیسر امرسن گورنمنٹ کالج ملتان

عالمِ دل ہے نورِ دیدۂ شوق — میری ہستی ہے آفریدۂ شوق

مدعائے نظر ہے حسنِ نظر — ہمہ تن بن گیا ہون دیدۂ شوق

ہو گئی کل اُمیدِ جذبِ فنا — مٹ گیا دل کا سب عقیدۂ شوق

آہوئے دشتِ قیس کی ہے تلاش — دیدۂ شوق ہین رمیدۂ شوق

غنچۂ دل سے باز پرس نہ کر — اے نسیمِ وفا وزیدۂ شوق

تارِ دامن ہوئے گریبان گیر — مدد اے دستِ نارسیدۂ شوق

چشم پوشی کی ہے طلب یعنی — پیرہن ہون مگر دریدۂ شوق

ہے تمنائی نیاز جبین — سرِ راہِ وفا خمیدۂ شوق

تنگ صحرائے بےخودی ہون مین — میرا ہر ذرّہ ہے کبیدۂ شوق

چشمِ اشک آفرین کو کیا کہئے — جام لبریز ہے دمیدۂ شوق

دیدہ بر راہ خارِ حسرت ہے — پائے وحشت زدہ خلیدۂ شوق

ہو گیا آخرش نصیبِ خزان — اے گلِ مدعا نچیدۂ شوق

نہ کھلی چشمِ منتظر نہ کھلی — مرحبا جان بلب رسیدۂ شوق

خون کیا اب شکستہ رنگی کا — صورتِ حال ہے کشیدۂ شوق

ہائے کیونکر ہو اعتبارِ خیال — مدعا اور برگزیدۂ شوق

ہے غزل مین تپش شباب کا جوش

لکھ رہا ہون ابھی قصیدۂ شوق

قطعۂ تاریخ زلزلۂ صوبہ بہار

از جناب مولوی محمد ریاض حسن خانصاحب خیال رئیس رسول پور ضلع مظفر پور

دوشنبہ بست و ہشتم ماہِ صیام کو — گویا نمونہ حشر کا گذرا نگاہ سے

ایسی ہلی زمین کہ دل سب کے ہل گئے — ہر شخص کانپنے لگا تھرا اٹھا کے

اکثر مکان گر گئے کچھ پھٹ کے جھک پڑے — در اور فیلپائے ٹلے جایگاہ سے

پانی اُبل کے سطحِ زمین سے رواں ہوا — بالو اُبھر کے آئی نکل قعرِ چاہ سے

کھیتوں مین تھی جو فصل وہ اُکھڑ ہوئی تباہ — ریگِ سفید سے کہین خاکِ سیاہ سے

اسباب زلزلے کے کہین کچھ جیا تو جسٹ — مین تو یہی کہون گا لبِ عذر خواہ سے

یہ وجہ زلزلے کی ہے تاریخ بھی یہی — "تھرا گئی زمین مرے بارِ گناہ سے"

۱۳۵۲ھ

قطعۂ امجد

ازحکیم الشعراء سید احمد حسین امجد حیدر آبادی،

اندھیر کبھی ایسا تم نے نہ سنا ہو گا — دولت مرے گھر مین ہے پر ہاتھ نہین آتی

وہ مجھ مین ہے اس پر بھی مین اسکو نہین پاتا — گو ہاتھ مین طاقت ہے پر ہاتھ نہین آتی

جنونِ جاودان

ازجناب عرفانی، ایم اے،

شب آخر فسونِ ساقیِ میخانہ آخر شد — مگر جوشِ جنونِ جاودان آخر نمی باشد

اگر موجے بہ ساحل میرسد، منزل نمی جوید — تلاطم ہائے بحرِ بیکران آخر نمی باشد

بہ یادِ دوش، رنگیں می کنم امروز و فردا را — درین محفل زمانِ رفتگان آخر نمی باشد

نویدِ انتہا جستم، غلط کردم، غلط گفتم — بگیتی رستخیزِ امتحان آخر نمی باشد

ہمان بہتر کہ با این کشمکشہائے جہان سازم — کہ دورِ انقلاباتِ جہان آخر نمی باشد

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے رسالون کے خاص نمبر

اس ششماہی مین ذیل کے چند رسالون کے خاص نمبر ہمین ریویو کے لئے موصول ہوئے،

رسالہ عالمگیر کا خاص نمبر، اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب، حجم ہریک ۱۹۰ صفحے، بڑی

اور سالانہ نمبر تقطیع قیمت ہریک عہ، دفتر عالمگیر، لاہور،

رسالہ عالمگیر کے دو خاص نمبر "خاص نمبر" اور "سالانہ نمبر" کے نام سے ماہ جنوری اور جون مین نکلے ہین، ہمارے یہ ادبی رسائل اب تقریبًا اپنی تمام توجہ اپنے خاص اور سالانہ نمبرون ہی پر مبذول رکھتے ہین، اس لئے بہ حیثیت مجموعی یہ اچھے خاصے رسالے ہوتے ہین، چنانچہ ان دونون نمبرون مین مشاہیر شعراء کی نظمین اور غزلین، اور اچھے مضمون نگارون کے ہرنوع کے مضامین موجود ہین، مثلاً "سلاطین دہلی کے مفاد عامہ کے کارنامے" جناب سید حسن برنی، "الف لیلہ کی راتین" مس حجاب اسمٰعیل "جریدہ نگاری" "مراقش" (مراکش ؟)، "خانم" (چغتائی کا مزاحیہ مضمون) "ایران کی چند صنعتین"، اور "شریف ڈاکو" اعظم کریوی وغیرہ اچھے مضامین ہین، ہر نمبر مین متعدد رنگین تصویرین ہین،

نیرنگ خیال کا نگارش لطیف نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب،

۹۲ صفحے، دفتر نیرنگ خیال، شاہی محلہ، لاہور،

نیرنگ خیال کے نگارش لطیف نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین صرف عورتون کے مضامین ہین، اس رسالے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت ہماری تعلیم یافتہ خواتین کا علمی و ادبی رجحان کیسا ہے، ہمین یہ دیکھ کر

خوشی ہوئی کہ اب ردّ عمل شروع ہوگیا ہے اور مضامین مین مشرق کے نسوانی جذبات وخیالات کی ترجمانی نظر آنے لگی ہے، تاہم ابھی ایسے مضامین کے نمونے بھی موجود ہین، جنہین "ادب لطیف" اور "جواہر پارون" کے پردہ مین عریان جذبات ادا کئے گئے ہین،

سالنامہ ادبی دنیا

(مصور) اڈیٹر جناب منصور احمد صاحب، بی اے، ۱۴۴ صفحے، قیمت ۸؍ دفتر ادبی دنیا، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا، لاہور کے ممتاز ادبی رسالون مین ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری ۳۴ء مین نکلا تھا، سر مقالہ "تذکیر وتانیث" کے عنوان سے اردو کے مشہور ادیب جناب پنڈت برج موہن دتاتریہ، کیفی دہلوی کا ہے، جس مین اس خشک موضوع کو شگفتہ انداز بیان مین دلچسپ بنا کر اردو کے ایسے الفاظ کا مسئلہ پیش کیا ہے، جن کی تذکیر وتانیث مختلف فیہ ہے، اور چند اصول بتائے ہین کہ ان کی روشنی مین ان کی تذکیر وتانیث کا مسئلہ مستقلاً طے کر لیا جائے، رسالہ مین دوسرے مضامین بھی اوسط درجہ کے اچھے علمی وادبی ہین،

رسالہ الایمان کا میلاد نمبر

مدیر مولانا مظہر الدین، ۱۳۶ صفحے، سرورق خوشنما، دفتر الایمان، زینت محل دہلی،

رسالہ الایمان کے میلاد نمبر مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر اور ایسے عنوانون پر مضامین ہین جنہین سیرت نبوی کا کوئی نہ کوئی تعلق قائم ہے، مثلاً "غزوہ تبوک مین آنحضرت صلعم کے خطبہ کا سلیس ترجمہ اور اسکی تشریح" مولانا مظہر الدین، "جامع ابا صوفیہ کے تاریخی حالات اور سقوط قسطنطنیہ کے متعلق آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی" مولوی سید عبد الحمید پھلوی، "گوتم بودھ کے رحمۃ للعلمین کون ہین؟" "رسول مدنی کی مذہبی ومعاشرتی حیات" صاحبزادہ نواب سر عبد القیوم وزیر صوبۂ سرحد، "عاشقان رسول کی انتہا یا وحدۃ الوجود کا حل" مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، اکثر مضامین پہلے کے مطبوعہ ہین، چند مضامین عنوان رسالہ سے غیر متعلق بھی ہین، اس نمبر مین ۱۲، ۱۵ تصویرین ہین جنہین سے اکثر سہ روزہ الامان مین چھپ چکی ہین، یہ نمبر ۸؍ مین مل سکتا ہے اور مستقل خریدارون کو عام سالانہ قیمت ہی مین ملیگا،

رسالہ پیشوا کا میلاد نمبر

اڈیٹر مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، ۱۵۰ صفحے، قیمت عہ؍ دفتر رسالہ پیشوا دہلی

مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، ہر سال اپنے رسالہ پیشوا کا رسول نمبر **تذکرہ جمیل** کے نام سے نکالتے ہین، اس سال بھی مختلف قسم کے مضامین مطبوعہ وغیر مطبوعہ سے یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے، اس سال رسالہ کی دو خصوصیتین نمایان ہین، ایک "صداقت کا اعتراف غیرون مین مقبول رسولؐ" کے عنوان سے غیر مسلم مورخین وارباب قلم کے خیمین ہندو دیوتانی دونون مین، ایسے مضامین وافکار کا ترجمہ کیا گیا ہے، جو آنحضرت صلعم کی سیرت پاک پر ہین، دوسری خصوصیت تصاویر کی ہے، اس مین مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور بیت المقدس وغیرہ کے مختلف مقدس تاریخی عمارات وآثار کے عمدہ فوٹو چھاپے گئے ہین، جناب مدیر کا ایک مضمون "حق وباطل کی معرکہ آرائی" کے عنوان سے ہے جس مین انھون نے متنبیون کی پیشین گوئیون کے غلط ثابت ہونے اور آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیون کے صحیح ہونے کو دکھایا ہے، نواب سر عبد القیوم وزیر صوبہ سرحد کا جو مقالہ رسالہ الایمان کے رسول نمبر مین درج ہے، اور جس کی تمہید مین دکھایا گیا ہے کہ وہ مدیر الایمان کے "تاریخی سفر سرحد" کے موقع پر وزیر موصوف سے ارتباط پیدا ہو جانے کے نتیجہ کے طور پر رسالہ الایمان کو حاصل ہوا ہے، وہی مضمون اس تذکرہ جمیل مین بھی "جملہ حقوق محفوظ" کے اعلان کے ساتھ چھپا ہے، اور لطف یہ کہ دونون پرچے دہلی ہی سے قریب ہی کی تاریخون مین چھپ کر نکلے ہین، اب معلوم نہین اختصاص کا یہ شرف رسالہ ایمان کو حاصل ہوا تھا یا رسالہ پیشوا کو، یا وزیر موصوف نے اپنے کسی پہلے کے مطبوعہ مضمون کی دوبارہ اشاعت کی اجازت ان دونون رسالون کو عطا فرما دی ہے،

نظام المشائخ کا رسول نمبر

اڈیٹر جناب ملا واحدی نظامی، کوچہ چیلان، دہلی، ۱۴۴ صفحے، کاغذ معمولی،

نظام المشائخ کا رسول نمبر بھی ماہ ربیع الاول مین نکلا ہے، جس مین آنحضرت صلعم کی سیرت پاک کے مختلف پہلو مختلف مضامین مین نمایان کئے گئے ہین، مضامین بعض پہلے کے مطبوعہ ہین، اور بعض اس خاص نمبر کے لئے لکھے گئے ہین جنہین ڈاکٹر سعید احمد صاحب کا مضمون، "عالم بالا مین ایک الوداعی جلسہ اور رسول اللہ صلعم کا دربار" اپنی جگہ دلچسپ اور ایک خاص نوعیت رکھتا ہے، لیکن شبہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ چل کر ایسے مضامین سے لوگون کو سیرت پاک

کو تمثیل (ڈرامہ) کا خدانخواستہ تختۂ مشق بنانے کی جرأت نہ ہوجائے کہ اس کے افادہ کے امکان عقلی کے تمام پہلوؤن کے باوجود عملاً کسی طرح نہ اسکی اجازت دیجاسکتی ہے، اور نہ کسی شکل وصورت مین شریعت اسلام کے روسے جائز ہوسکتا ہے، اس نمبر کی علحدہ کوئی قیمت نہین، رسالہ کی سالانہ قیمت ؏ مین یہ رسالہ بھی ملیگا،

رسالہ ہمدرد صحت کی اشاعت خاص، مرتبہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب، دہلوی، ہمدرد منزل لال کنوان، دہلی، ۲۰۸ صفحے، قیمت ۱۰ر معمولی اڈیشن ۶ر

دہلی کے طبی رسالہ ہمدرد صحت کا خاص نمبر "تجدید و اعادہ شباب اور درازیٔ عمر" کے نام سے نکلا ہے، اردو زبان مین اس بحث کی اشاعت، خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر اشرف الحق صاحب حیدرآباد دکن، نے کی ہے، انکے بہ کثرت رسائل جو تالیف و ترجمہ دونون پر مشتمل ہین، مختلف عنوانون سے چھپ چکے ہین، ہمدرد صحت کے اس نمبر مین موصوف کے رسالون کے اقتباسات کثرت سے چھاپے گئے ہین، اس پرچہ کی سب سے اہم خصوصیت فن اعادۂ شباب کے مشہور ماہر خصوصی ڈاکٹر ہیلین جاودرسکی، پیرس کی اس رسالہ کی جانب نگاہِ توجہ ہے، موصوف نے کارکنانِ رسالہ کی استدعا پر اپنے مختصر حالاتِ زندگی اور اپنا اس فن کے متعلق تجربہ " اعادۂ شباب کا آسان طریقہ" اردو کے اس رسالہ کو لکھ کر بھیجا ہے، مضامین چار مختلف ابواب "نظریات" "تشریح و تبصرہ" "تجدید شباب درازیٔ عمر کے قدرتی ذرائع" "فن اعادۂ شباب اور ویدک" "فن اعادۂ شباب کے "دوائی" ذرائع" کے ماتحت تقسیم ہین جن مین نظری وعملی ہر حیثیت سے اس فن کو پیش کیا گیا ہے، رسالہ مین فن کے ماہرین خصوصی، مضمون نگارون اور ایسے مریضون کی تصویرین علاج سے پہلے اور بعد دونون کی ہین، جنھون نے عمل "تعلیم" یا اپریشن وغیرہ کے ذریعہ علاج کرایا، مجموعی حیثیت سے اپنے موضوع پر یہ ایک حاوی رسالہ ہے، جو محنت اور توجہ سے مرتب کیا گیا ہے،

عصمت کا سالگرہ نمبر (مصور) اڈیٹر جناب رازق الخیری، ۲۱۶ صفحے، قیمت قسم اول ۱۲ر دوم ۸ر، دفتر عصمت دہلی،

رسالۂ عصمت عورتون کا قدیم زنانہ رسالہ ہے، جو ماہانہ کامیابی کے ساتھ جاری ہے، اس کا سالگرہ نمبر

ماہ جولائی مین نکلا ہے، اس مین مذہب، اخلاق، معاشرت، تاریخ، سیر و سیاحت، افسانے، ڈرامے، ادب و انشا، خانہ داری اور صنعت و حرفت وغیرہ کی سرخیان بطور ابواب کے ہین، اور ان کے ماتحت ہندوستان کی بلندپایہ خواتین و اہل قلم کے مفید و سنجیدہ مضامین ہین، رسالہ عصمت عورتون کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، خدا اس کی عمر مین برکت دے،

دو نئے رسالے گذشتہ مہینہ مین رسالون پر تبصرہ کرنے کے بعد دو نئے رسالے ملے، جو اسی تشماہی مین نکلے ہین، وہ دونون قانون صحت لاہور، اور الفرقان بریلی ہین،

قانون صحت، مرتبہ جناب حکیم محمد مسعود صاحب، دفتر رسالہ قانون صحت و اپل شفاخانہ، محلہ جلوٹیان، بھاٹی دروازہ، لاہور، ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ ۱۲ر ہر پرچہ ۲ر

یہ ایک مفید طبی رسالہ ہے، جو ماہ مئی ۳۴ء سے نکلا ہے، اس کا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے، رسالہ کے تقریباً سب مضامین اس کے سرپرست جناب حکیم محمد افضل صاحب کے ہین، مضامین کا اندازہ ان کے عنوانون سے کیا جاسکتا ہے، "حسن و سنگار" "طلبہ کی غذا" "نگہداشت و پرورش اطفال" "چلنا پھرنا" "آنکھ" "ہیضہ" اور "طاعون کا ٹیکہ" وغیرہ مضامین بظاہر نظر پر از معلومات ہوتے ہین،

الفرقان، مرتبہ مولوی منظور نعمانی، ۷۲ صفحے، دفتر الفرقان، بریلی، دیوپی، قیمت سالانہ ۱۲ر ہر پرچہ ۵ر

الفرقان، ایک مذہبی و تبلیغی رسالہ ہے، جو دارالمناظرات بریلی سے نکلا ہے، رسالہ کا مقصد توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کا رد کرنا ہے، مضامین اپنے موضوع کے لحاظ سے اچھے ہین، البتہ ان مین مناظرانہ شان پائی جاتی ہے، "دیوبندی و رضاخانی مناظرات" کی روداد بھی موجود ہے، رسالہ کی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، ماہ ربیع الاول سال رواں سے نکلا ہے،

"ر"

مطبوعات جدیدہ

سنن کبریٰ، بیہقی جلد خامس، تقطیع کلان، صفحات ۴۷۰، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن،

دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن چند سال سے امام بیہقی کی مشہور سنن کبریٰ مع جوہر نقی للترکمانی کی اشاعت مین مصروف ہے، اسکی چار جلدین پہلے شائع ہو چکی ہین، اب پانچوین جلد شائع ہوئی ہے، اس جلد مین بقیہ کتاب الحج سے لیکر کتاب البیوع مین ربا دین تک کی حدیثین شامل ہین، کتاب کے آخر مین دو فہرستین دی گئی ہین پہلی مضامین وابواب کی اور دوسری راویون کی ہے، اس دوسری فہرست کی ترتیب مین مصححین نے بڑی محنت کی ہے ہر صحابی اور تابعی کی جو جو روایتین جلد مذکور مین آئی ہین، ہر صحابی اور تابعی کے نام کے نیچے ان کا حوالہ بقید صفحات بتایا گیا ہے، ان روایات کا درجہ بھی رموز مین ظاہر کیا گیا ہے، سب سے آخر مین تین صفحون کا غلط نامہ ہے، جو کتاب کی ضخامت دیکھتے ہوئے بہر حال مختصر ہے، کتاب کا ٹائپ بھی اچھا ہے، اور چھپی بھی صاف ہے،

یہ جلد چار قلمی نسخون سے مقابلہ کرکے صحیح کیگئی ہے، پہلا نسخہ مدراس کا تھا، دوسرا سندھ کا، تیسرا الکتبخانہ مصر کا اور چوتھا ریاست رامپور کا، مصححین نے ان چارون نسخون سے مقابلہ کرکے اپنا نسخہ تیار کیا، اور حاشیون مین اختلافات نسخ لکھدیئے گئے ہین، ہم کو خوشی ہے کہ ہمارے ملک مین کتابون کے بقدر استطاعت صحیح چھاپنے کا ذوق ترقی کر رہا ہے،

اخبار مکہ للازرقی، جلد اول، تقطیع متوسط، صفحات ۳۰۴، مطبعہ ماجدیہ، مکہ مکرمہ،

حجاز، مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کے حالات و تاریخ مین سب سے قدیم کتاب یہی امام ازرقی کی تاریخ مکہ ہے، جو تیسری صدی ہجری کے اوائل مین لکھی گئی ہے، یورپ مین اس کتاب کو جرمن فاضل وسٹنفیلڈ نے بہت دن ہوے کہ چھاپکر شائع کیا تھا، لیکن مدت سے اس کا کوئی نسخہ بازار مین موجود نہ تھا، اور شائقین کو اسکی بیحد ضرورت تھی، مکہ معظمہ مین مطبع

ماجدیہ کے نام سے ایک نیا علمی مطبع قائم ہوا ہے، نجدی فاضل رشدی صالح ملحس نے بڑے اہتمام اور پوری تصحیح اور بعض قلمی نسخون کے مقابلہ سے اب نئے سرے سے اسکی چھپائی کا کام شروع کیا ہے، اور ہم بڑی مسرت کے ساتھ اسکا اظہار کرتے ہین کہ ہمارے عرب فاضل کی تصحیحات و تحقیقات و حواشی جرمن فاضل سے بلند تر ہین، اور اس بنا پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ گذشتہ جرمن اڈیشن سے یہ نسخہ زیادہ خوب، زیادہ صحیح اور زیادہ مفید ہوگا، شروع مین مصحح نے تصنیف اور مصنف کے تحقیقی حالات اور کتاب مین جابجا کثرت سے حواشی لکھے ہین، جس سے نسخۂ مذکور کی افادیت مین بہت اضافہ ہو گیا ہے، آخر مین خانہ کعبہ اور اصنام پر تعلیقات درج ہین، اور سب کے بعد اسماء و اعلام اور مضامین کی متعدد فہرستین ہین، امید ہے کہ بقیہ جلدین بھی اسی اہتمام سے طبع ہونگی،

مونس العشاق، للشیخ شہاب الدین سہروردی مقتول، مصححہ و مرتبہ پروفیسر اوٹو اسپیس استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، تقطیع کتابی صفحات ۶۷،

حکیم ابو الفتح یحییٰ بن حبش شہاب الدین سہروردی مقتول، جنکی حکمۃ الاشراق مشہور کتاب ہے، انہی کا یہ ایک فارسی رسالہ ہے، جرمن فاضل پروفیسر اسپیس نے قسطنطنیہ کے کتبخانون سے اس رسالہ کے متعدد نسخے فراہم کرکے اور تصحیح کی، اور اب ہندوستان آکر اس کی اشاعت کی ہے، کتاب جامعہ پریس دہلی مین ٹائپ مین چھپی ہے کتاب کی زبان فارسی ہے، اصل رسالہ ۹۴ صفحون مین، بارہ مختصر فصلون کے اندر تمام ہوا ہے، اور اس کے بعد کسی نامعلوم مصنف نے ۲ صفحون مین اس کی مختصر سی شرح لکھی ہے، بلکہ یون کہئے کہ حاشیے لکھے ہین، اصل موضوع حسن و عشق اور یوسف و زلیخا کے رمز و اشارہ مین حکیمانہ تصوف کے چند ابتدائی نکتون کی تشریح ہے، اصل رسالہ مین بہت سے فارسی اشعار ہین، جو عموماً دوسرے شعرار کے معلوم ہوتے ہین، غالباً یہ مونس العشاق وہی رسالہ ہے جس کا ذکر شہرزوری نے سہروردی مقتول کی تصنیفات کی فہرست مین رسالۃ العشق کے نام سے کیا ہے،

کتاب کے آخر مین پروفیسر صاحب نے انگریزی مین تصنیف اور مصنف کے مختصر حالات لکھے ہین، حالات کے ماخذ مین تعجب ہو کہ پروفیسر صاحب نے شہرزوری کی کتاب کا نام نہین لیا، حالانکہ مصنف کے قدردانون مین اسکا پہلا نمبر

ہے اور اس سے قریب تر بھی ہے،

مثنوی مولنا رومی کا طبع عکسی، شش دفتر، تقطیع کلان، مطبوعہ جرمنی، ضخامت ۷۰۸ صفحے،
دفتر آثار قدیمہ حیدر آباد دکن،

ارباب نظر کی نگاہون مین مثنوی مولانائے روم کی جو قدر وقیمت ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر دور اور ہر عصر مین اس کے بہترین نسخے تیار کئے گئے اسوقت بھی دنیا مین اسکے ہزارون نادر نسخے ملتے ہین، حیدر آباد دکن کے چند خوش مذاق علم دوست امرا، کو جن مین اول نمبر نواب سر امین جنگ بہادر کا ہے، یہ خیال ہوا کہ مثنوی کے کسی پاکیزہ خوشخط نسخہ کو فوٹو ٹائپ مین چھاپکر شائع کرین، چنانچہ عجائب خانہ حیدر آباد دکن مین مشہور کاتب میر عماد الحسینی شہید ۱۰۲۴ھ کے پڑپوتے عبد الکریم بن میر ملکی ولد میرزا ابراہیم بن عماد الحسینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو نسخہ حال مین خریدا گیا تھا، اسکو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا، اور جرمنی کے شہر میونخ کے مطبع برکمان مین یہ نسخہ فوٹو ٹائپ سے انتہائی خوبی اور خوش مذاقی کے ساتھ چھاپا گیا، اصل خط کا پورا حسن موجود ہے، یہ اہتمام کیا گیا کہ اصل نسخہ کے کاغذ کا بادامی رنگ بھی اس اڈیشن کے کاغذ مین محفوظ رہے، غرض خط اور تقطیع سے لے کر جدول و کاغذ ہر ایک چیز مین اصل کی مشابہت قائم رکھی گئی ہے، اصل نسخہ کی کتابت متن کے علاوہ حاشیہ پر بھی ہے، اس طرح ۷۰۸ صفحون مین مثنوی کے چھ دفتر آسانی سے سما گئے ہین، اور پورا نسخہ ایک جلد مین آگیا ہے، کتاب کی خوبی و خوش مذاقی و طباعت کا اہتمام اور مقدمہ نویسی کا فرض جناب مولوی غلام یزدانی صاحب ڈائرکٹر محکمۂ آثار قدیمۂ دولت آصفیہ نے ادا کیا ہے، کتاب کی خوبصورت چرمی جلد ہے اور اس پر بادامی کاغذ لپٹا ہے، اور وہ کاغذ کے ایک عمدہ بادامی بکس کے اندر بڑے اہتمام سے رکھی ہے، اس اہتمام اور خوش سلیقگی سے شاید ہی ہندوستان مین کوئی کتاب چھپی ہو،

فتوح الشام ازدی، ترجمہ مولنا عبد الرزاق ملیح آبادی، ناشر ہند بک ایجنسی نمبر ۲ اے، چترنجن ایونیو، کلکتہ، ۲۸۴ صفحات، تقطیع چھوٹی، عہ

ازدی کی فتوح الشام عہد صدیقی و فاروقی کی اسلامی فتوحات پر قدیم و مستند تصنیف ہے، آیرش فاضل ولیم

ناسولیس، کی تصحیح و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۵۴ء مین ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے شائع ہوئی تھی، اس کا عربی نسخہ ان دنون کمیاب ہے، مولنا عبد الرزاق ملیح آبادی شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، کتاب مین فتح قیساریہ تک کے حالات ہین جو مسلسل روایتون کے ذریعہ بیان کئے گئے ہین ان روایتون مین اس عہد کے ذہنی، اخلاقی و اجتماعی حالات کے اشارات بھی ملتے ہین، امید ہے کہ یہ کتاب اردو دان طبقہ مین دلچسپی سے پڑھی جائیگی،

شہید کربلا، از مولنا عبد الرزاق ملیح آبادی، ۱۴۵ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر، ہند بک ایجنسی نمبر ۲ اے، چترنجن ایونیو کلکتہ،

سانحۂ کربلا کی ایسی مکمل و مستند تاریخ جو حشو و زوائد اور جذبات سے پاک ہو، اور محض اسی موضوع پر لکھی گئی ہو، واقعہ ہے کہ اردو مین موجود نہ تھی، یہ کمی مولانائے ملیح آبادی نے اپنی اس کتاب سے پوری کی ہے، اس مین پہلے تمہید کے طور پر نزاع خلافت کے حالات چند سطرون مین لکھے گئے ہین، پھر یزید کے ولیعہد بنائے جانے سے لیکر خاندان رسالت کے لٹے ہوئے قافلہ کی مدینہ کی واپسی تک کے واقعات لکھے ہین، کتاب کے ماخذ طبری اور دوسری تاریخین ہین، واقعات کو حتی الامکان چشمدید اور شریک معرکہ راویون کے الفاظ مین بیان کیا ہے، یعنی انہی روایتون کا سلیس لفظی ترجمہ اچھے اسلوب اور طرز بیان مین کر دیا ہے، اور ان مین تسلسل و ربط پیدا کرنے کے لئے دو دو تین تین فقرون مین اشارات کر دئے ہین، یہ طریق تالیف اگرچہ سب سے زیادہ سادہ لیکن نہایت محفوظ ہے، جس مین مؤلف کی ذاتی رایون اور رجحانات کا دخل نہین ہونے پاتا، روایتین حتی الامکان مستند ماخذ کی ہین، امید ہے کہ اردو دان طبقہ مین یہ رسالہ پوری مقبولیت حاصل کریگا،

گمراہ صوفی، از مولنا ملیح آبادی، ۹۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، ۷ر، ہند بک ایجنسی، نمبر ۲، اے چترنجن ایونیو کلکتہ،

یہ رسالہ علامہ ابن جوزی کی مشہور تصنیف "تلبیس ابلیس" کی چند فصلون کا اردو ترجمہ ہے جسمین تصوف حقیقی و تصوف باطل کے درمیان امتیاز دکھایا ہے، ابن جوزیؒ نے صحیح تصوف اس کو قرار دیا ہے، جو حضرت جنید بغدادی، شبلی، ابو یزید

بسطامی، اور رویم رحمہم اللہ کا مسلک و مشرب تھا، اور انہی اکابر صوفیہ کے ملفوظات و اقوال سے تصوف کی تعریف سمجھائی ہے، پھر دکھایا ہے کہ رفتہ رفتہ زہد و تصوف کے دائرہ مین فاسد عقائد و خیالات و اعمال داخل ہوئے اور حق و باطل کی تمیز جاتی رہی، خانقاہون نے دیر کی شکل اختیار کرلی، عقائد باطلہ کی بنیادون پر کتابین تصنیف ہوئین، متقدمین اکابر صوفیہ امراؤ سلاطین کی مجلسون اور دربارون سے نفور رہتے تھے، لیکن متاخرین صوفیہ لباس زہد پہن کر جب جاہ و مال کے لئے دربارون مین جانے لگے، اسی ضمن مین اپنے زمانہ کے صوفیون کے مختلف عادات و خصائل لکھے ہین اور اس مسلک و مشرب سے متقدمین صوفیائے صالحین کا جو اختلاف رہا ہے، اور ان عادات و خصائل کی اسلامی نقطۂ نظر سے جو حیثیت ہے اس کی توضیح کی ہے، مولانائے ملیح آبادی رد بدعات کے لئے جو کوشش کر رہے ہین، وہ نہایت مستحسن ہین، لیکن رسالون کے ترجمون اور مطالب کے بیان مین نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، یہ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ مولانا کے اردو ترجمون کے متعلق ایک خیال یہ ہوتا جاتا تھا کہ بیان مطالب مین وہ حزم و احتیاط نہین برتتے، اس لئے ہم نے اس رسالہ کو اصل کتاب سے جابجا ملاکر دیکھا، یہ دراصل محض ترجمہ ہے، انھون نے حسن مذاق کے ساتھ کم از کم الفاظ و عبارت مین مصنف کی لمبی عبارتون کو ملخصاً منتقل کرلیا ہے، اور جہان غیر ضروری چیزین نظر آئین انھین ترک کردیا ہے اور سرسری طور پر بیشتر صفحات کو اصل کتاب سے بالمقابل ملاکر پڑھنے کے باوجود ہم نے اس ترجمہ کو محتاط پایا، البتہ صرف ایک مقام پر ایک لغزش قلم دکھائی دی، جو یہ ہے،

"پھر ابو حامد غزالی نے اگر احیاء العلوم لکھی اور اسے باطل حدیثون سے بھر دیا، " یہ حضرت علم حدیث سے کورے تھے: جو حدیثین لکھ گئے ہین، ان کی حقیقت سے بیخبر تھے " (گمراہ صوفی ص) (تلبیس ابلیس ص ۱۷۶)	"وجاء ابو حامد الغزالی، فصنف لھم کتاب الاحیاء علی طریقۃ القوم وملاہ بالاحادیث الباطلۃ وھو لا یعلم بطلانہ"

ظاہر ہے کہ اس ترجمہ مین امام غزالی کے متعلق یہ فقرہ کہ "یہ حضرت علم حدیث سے کورے تھے" نہ ابن جوزی کا ہے اور نہ ان کی عبارت سے مستفاد ہوسکتا ہے، بلکہ محض مترجم کا اضافہ ہے، احتیاط کا اقتضاء ہے کہ قلم کو ایسی

چیزون سے بھی بچایا جائے،

افسانہائے عشق، از جناب حامد علی خانصاحب، بی اے، اسسٹنٹ اڈیٹر ہمایون، ۱۰۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، جلد خوبصورت سنہری، قیمت مجلد عہ، دفتر ہمایون ۲۳ لارنس روڈ، لاہور،

"افسانہائے عشق" چند افسانون کا مجموعہ ہے، جو عمدہ سائز، نفیس لکھائی چھپائی، اور اچھے کاغذ پر چھپا ہے، افسانون کی تعداد ۹ ہے جو غیر زبان سے منتقل کئے گئے ہین، ان مین چند افسانے ٹیگور کے اور بعض، بابو راما نند چٹرجی اڈیٹر ماڈرن ریویو کلکتہ کی لڑکیون سنتا اور سیتا چٹرجی کے لکھے ہوئے ہین، ان تمام افسانون مین مشرق کے پاکیزہ جذبات عشق و محبت کی ترجمانی کیگئی ہے، اور ان کا خاتمہ ناکامی و حرمان نصیبی کے کیف انگیز، پراثر اور دلدوز مرقعون پر ہوتا ہے، اور مشرق کے صحیح شریفانہ جذبات کی پوری مصوری نظر آتی ہے، ٹیگور وغیرہ کے افسانے آئے دن اردو رسالون مین چھپتے رہتے ہین، لیکن ان افسانون کے ترجمون کی زبان و طرز ادا مین جو لطافت، شیرینی، اور شعریت کیساتھ جو سلاست، سادگی، روانی، اور دلکشی نظر آئی، وہ اردو کے مترجمہ افسانون مین کم دیکھنے مین آتی ہے، اس لئے اگر غیر زبان کے بلند پایہ افسانے ہماری اردو زبان مین ایسے ہی خوش مذاق اور سنجیدہ اصحاب قلم کے ذریعہ منتقل ہون تو اردو زبان کی بڑی خدمت انجام پائے،

رسالہ حسب و نسب، مرتبہ جناب مولانا حکیم سید محمد عثمان صاحب ندوی، ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، ۵ر مؤلف سے محلہ بیگہ، شیخپورہ ضلع مونگیر، کے پتہ سے طلب کرین،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ حسب و نسب بھی شرف و مجد کا ایک معیار ہے، اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ شرافت نسب پر فخر و غرور جائز نہین، اسی مفہوم کو انھون نے آیات قرآنی، احادیث اور احکام فقہی کی روشنی مین پیش کیا ہے، پھر چند شبہات کا جواب دیا ہے، جن مین یہ بھی ہے کہ حسب و نسب کا تخیل مساوات اسلامی کے منافی نہین، اور سب سے آخر مین جدید علمائے سائنس و ارباب علوم جدیدہ کے اقرار و افکار سے دکھایا ہے کہ حسب و نسب کا اثر فطرت انسانی پر اچھا اور برا پڑتا ہے، خصوصاً اخلاق انسانی اس سے متاثر ہوتے ہین، اس مین شبہہ نہین کہ اس موضوع

پر مصنف کے بیشتر دلائل صحیح ہین، اگرچہ بعض مقامات پر دلائل مین کمزوریان بھی ہین، تاہم کلکم من بنی آدم و آدم من تراب کو اس سلسلۂ بحث مین پیش نگاہ رکھنا چاہئے، یہ دوسری بات ہے کہ کسی جماعت کا کوئی فرد اپنے حسب و نسب کے اعتبار سے کسی دوسری جماعت کے کسی فرد سے اپنے ازدواجی تعلقات قائم کرنے مین احتیاط برتے، لیکن یہ صحیح نہین کہ دوسری جماعت کے افراد اپنے زہد و ورع و تقویٰ، علم و فضل، اور اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کے باوجود اجتماعی زندگی مین بھی اس پہلی جماعت کے افراد سے فروتر سمجھے جائین، ہم مصنف کے نقطۂ نظر کو جہانتک معلوم کرسکے وہ بھی اسکے موید ہین۔

بہار مین ابو العلائی فیضان و خانقاہ داناپور — مرتبہ جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب منعمی ابو العلائی، سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ، گیا، حجم بہ ترتیب ۲۸، ۱۸، صفحے،

جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب منعمی ابو العلائی، صوبہ بہار کے اُن ذی علم مشائخ مین ہین، جو کچھ نہ کچھ علمی حیثیت سے بھی تصوف کی خدمت کیا کرتے ہین، ابھی کچھ دنون پیشتر انھون نے حضرت سید شاہ عطا حسین کی ضخیم فارسی تصنیف کیفیۃ العارفین و نسبۃ العاشقین ترتیب و تحشیہ کے ساتھ شائع کی، اب انھون نے یہ زیرِ نظر دو رسالے لکھے ہین، ان مین سے پہلے رسالہ بہار مین ابو العلائی فیضان مین حضرت سیدنا ابو العلاء اکبرآبادی کے جامع سوانح حیات کے ساتھ ان کے ان خلفاء اور ان کے اخلاف کا تذکرہ کیا ہے، جن کے ذریعہ سے صوبہ بہار مین اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی، اور اسی ضمن مین صوبہ کی ابو العلائی خانقاہون اور ان کے مشائخ کا تذکرہ آگیا ہے، اس رسالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوبہ بہار مین اس سلسلہ کی اشاعت کے کیا اسباب پیش آئے، کہ در اصل اس صوبہ سے اس سلسلہ کا تعلق اسی وقت سے پیدا ہوتا ہے، جب اس کے بانی حضرت سیدنا ابو العلاء نے داؤد کو بحیثیت شاہی سپہ سالار کے شکست دی، اور پھر حضرت مخدوم دولت منیری کے یہان قصبۂ منیر متصل داناپور مین تشریف لائے، اور یہان سے اکتساب فیض کے بعد دہلی تشریف لے گئے، اور وہین ترک علائق دنیاوی کا اعلان فرمایا،

دوسرے رسالہ خانقاہِ داناپور مین اس خانقاہ کے عہد آغاز سے دور حاضر تک کی سرگذشت بیان کیگئی ہے، اس رسالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ خانقاہ منعمیہ گیا، در اصل یہی خانقاہ داناپور کی یادگار ہے،

دار المصنفین کی ادبی کتابین